ش ص ۶۹۶

مکتوباتِ امامِ ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانیؒ

مع سوانح عمری

(اُردو)

مترجم

مولانا عبدالرّحیم کلاچوی مرحوم و مغفور

ٹ (رجسٹرڈ) ۶۵ ریلوے روڈ لاہور
پاکستان

725

☆ اُس وقت جب نہ صرف عوام بلکہ مغل سلطنت کے عمائدین اور صوفیاء و علماء بھی دین فطرت کے تقاضوں سے منہ موڑ چکے تھے۔

☆ اور جب ہر لمحے یہی خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ اب وہ مشعل کفر کی تاریکیوں میں ڈوب جائے گی جس نے اس برصغیر میں توحید کا اجالا کیا تھا۔

☆ اُس وقت ملت اسلامیہ کے ایک جلیل القدر فرزند کی آواز پورے جلال کے ساتھ گونج اٹھی۔

یہ آواز بے خوف بھی تھی، مسلسل بھی تھی اور مسلمانوں کی منزل کی پوری طرح نشان دھی بھی کرتی تھی۔

''مکتوبات مجدد الف ثانی رح''——درحقیقت وھی صدا ھے۔

جو اُس وقت کفر کی تاریکیوں کا پردہ چاک کرنے میں کامیاب ھوئی اور یقیناً یہی وہ آواز ھے جو تا ابد اسلام کے پیام کی تشریح و توضیح کرتی رھے گی——!

قابل ستائش ھیں:

''حجۃ اللہ البالغہ'' — ''جامع الاداب'' — اور ''جواھر العلوم'' کے قابل مترجم، مولانا عبدالرحیم مرحوم جنھوں نے مکتوبات کو آردو کا جامہ پہنایا اور رشد و ھدایت کے اس دریائے موجزن کو ایک نظر دیکھنے کی آپ کو بھی دعوت دی!!

☆

Marfat.com

725

(جملہ حقوق محفوظ)

(ہو المستعان)

494
مث ص

مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

مع

مکتوباتِ امام ربانی اردو بالتشریح اصلاحات

(مترجمہ)

پروفیسر مولانا عبدالرحیم کلاچوی مرحوم (مولوی فاضل) پروفیسر
اسلامیہ کالج پشاور ــــــ اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار وکیل

★

پبلشر : بیگم ہمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ) لاہور
قیمت :۔ ساڑھے تین روپے

Marfat.com

53455

فہرستِ مطالب

نمبر شمار — نمبر صفحہ

۱ دیباچہ ۵

۲ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی رح ۷

۳ پہلا مکتوب :- ولایت کے درجات، ولایت محمدی اور حضور دائمی کا بیان ۲۹

۴ دوسرا مکتوب :- روح اور نفس کا تعلق، عروج و نزول اور فنا و بقا و عبدی
و روحی کا بیان ۳۶

۵ تیسرا مکتوب :- پیر ناقص سے استفادہ کرنے کی مضرت اور اہل کفر کا
لقب اختیار کرنے کی ممانعت ۴۵

۶ چوتھا مکتوب :- محبت ذاتیہ کے رونما ہونے پر محبوب کے انعام و
ایلام کا یکساں معلوم ہونا، مقربین اور ابرار کی عبادت کا
فرق، اولیاء مستہلکین اور مرجوعین کا فرق ۵۲

۷ پانچواں مکتوب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی ترغیب و تحریص ۵۸

۸ چھٹا مکتوب :- شوق کا وصف ابرار سے مخصوص ہے۔ ۶۰

۹ ساتواں مکتوب : طریقۂ نقشبندیہ کی علو نسبت کا بیان ۶۷

۱۰ آٹھواں مکتوب :- اس میں امام صاحب نے اپنا حال اشارۃً بیان فرمایا ہے ۷۰

۱۱ نواں مکتوب :- ادائے فرائض کو نوافل پر مقدم رکھنا، عشاء کی نماز
کو پچھلی آدھی رات میں پڑھنا منع ہے۔ پیر کو سجدہ
کرنا حرام ہے۔ ۷۱

Marfat.com

725

نمبر شمار		نمبر صفحہ
١٢	دسواں مکتوب :- شہود آفاقی و انفسی کا بیان، شہود انفسی اور تجلی صوری کا فرق، مقام عبدیت ایک نہایت اعلیٰ مقام ہے	٧٨
١٣	گیارہواں مکتوب :- توحید وجودی کی حقیقت، قرب و معیت ذاتیہ کا بیان۔	٨٩
١٤	بارہواں مکتوب :- اصحاب کرام کے مخصوص کمال کا بیان	١٠٠
١٥	تیرہواں مکتوب: دنیا طلب، علماء کی مذمت اور علمائے آخرت کی مدح	١٠٨
١٦	چودہواں مکتوب :- عالم امر کے جواہر خمسہ کا مفصل بیان	١١٣
١٧	پندرہواں مکتوب :- محبت ذاتیہ کا بیان	١١٨
١٨	سولہواں مکتوب :- شریعت تمام سعادتوں کا سرچشمہ ہے اور طریقت وحقیقت اس کے خادم ہیں	١٢١
١٩	سترہواں مکتوب :- اتباع سنتِ نبی صلعم کی ترغیب اور طریقہ نقشبندیہ کی تشویق ۞	١٢٤

Marfat.com

پنجاب کے پیرزادوں سے!

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان!
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کُلَہِ فقر سے ہو طرۂ دستار!
باقی کُلَہِ فقر سے تھا ولولۂ حق
جس نے چڑھایا نشۂ خدمت سرکار!

(اقبالؒ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صَفِیِّہٖ وَرَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ :۔

(۱) مکتوبات عالیہ امام ربّانی جس اعلیٰ پایہ کی کتاب ہے اور جن حقائق و معارف تصوف پر یہ کتاب مشتمل ہے محتاج تعریف و توصیف نہیں۔ صدہا اولیائے عظام اور علمائے کرام اس کے دریائے معارف سے سیراب ہوتے رہے ہیں لیکن چونکہ یہ مکتوبات دقیق فارسی میں لکھے گئے ہیں اکثر کم استعداد اردو خواں اصحاب استفادہ کرنے سے محروم تھے اور مدت سے یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ان کو اردو کا لباس پہنایا جائے، چنانچہ آج خدا کے فضل سے یہ آرزو پوری ہوئی ؎

للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

(۲) ترجمہ حتی الامکان نہایت سلیس اور با محاورہ اردو میں کیا گیا ہے۔ الفاظ کا تقید نہیں کیا لیکن مفہوم میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا گیا۔ اگر کسی موقعہ پر اپنی طرف سے کوئی چھوٹا سا فقرہ بڑھایا گیا ہے تو اس کو خطوط وحدانی کے اندر لکھا ہے

(۳) توضیح مطالب کے لئے جا بجا اپنے خیال کے مطابق تدقیق کے ساتھ مدلل اور ضروری حاشیے لگا دیئے گئے ہیں جن کو امید ہے کہ ناظرین پڑھ کر محظوظ ہونگے

(۴) اصل کتاب کی ابتدا میں وہ عرائض درج ہیں جو امام صاحب نے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھے تھے۔ مترجم نے ان کو یہاں سے حذف کر کے ان کی بجائے امام صاحب کا مختصر مگر جامع اور مکمل تذکرہ (سوانحعمری) لکھ کر ہدیۂ ناظرین کیا ہے

Marfat.com

جس کا معلوم کرنا ناظرین مکتوبات کے لئے نہایت ضروری اور سب سے مقدم سمجھا گیا ہے، عرائض کا ترجمہ مکتوبات کے آخری حصّے کے اخیر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا جائیگا انشاءاللہ تعالیٰ۔ امید ہے کہ ناظرین اس قدر خفیف تقدیم و تاخیر کو جس میں ایک بھاری فائدہ مدّنظر رکھا گیا ہے بخوشی خاطر گوارا کریں گے۔

(۵) مندرجہ بالا ضرورت کی وجہ سے مکتوبوں کا نمبر بدلنا پڑا لیکن ساتھ ہی خطوط وحدانی کے اندر ہندسہ میں فارسی مکتوبات کا اصل نمبر بھی دیا گیا ہے تاکہ اگر کسی صاحب کو اصل مکتوب دیکھنا ہو تو فوراً اصل کتاب سے اس کو تلاش کر سکے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۝

کوئی انسان غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا اس لئے اگر مترجم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ معاف فرما کر اس سے مطلع فرمائیں کہ ممنونیت کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے طبع دوم میں اس کی اصلاح کی جائے، اخیر میں التماس ہے کہ مستفید ہو کر مترجم اور ناشرِ کتاب ہٰذا کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں ـــ والسلام علےٰ من اتبع الھدیٰ ::

(کتبہٗ عبدالرحیم مقام امرتسر۔ ۷ جمادی الاخرہ ۱۳۳۰ھ ہجری)

Marfat.com

امام صاحبؒ کا اسم اور نسب اور مولد و مسکن

آپ کا اسم گرامی شیخ احمد فاروقیؒ اور مولد و مسکن سرہند کا قصبہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۸ واسطوں سے خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ تک پہنچتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو فاروقی کہتے ہیں۔ آپ کے اسلاف میں دو بزرگوار بڑے نامور اور صاحب ولایت گذرے ہیں:-

سلطان شہاب الدینؒ

(۱) سلطان شہاب الدینؒ علی جو فرخ شاہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ فرخ شاہ مذکور طریقۂ صوفیہ کے اختیار کرنے سے پہلے والئ کابل تھے اور کئی دفعہ فاتحانہ حیثیت سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے بالآخر عنایت الٰہی نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر زمرۂ اہل تصوّف میں داخل کیا۔ سلوک میں درجۂ کمال حاصل کر کے تکمیل میں مشغول ہوئے اور ایک عالم کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کیا ؀

شیخ رفیع الدینؒ المعروف امام نماز

(۲) شیخ رفیع الدین المعروف امام نماز۔ یہ حضرت مجددؒ کے جد ششم ہیں۔ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ حضرت سید جلالؒ بخاری سے جو ایک مشہور صاحب طریقت ہیں۔ فیضیاب ہوئے۔ جب حضرت مخدوم بُخارا سے کابل میں تشریف لائے تو شیخ رفیع الدینؒ کو بھی ساتھ لے کر ہندوستان کا قصد کیا ؀

Marfat.com

شہر سرہند کی بنیاد پڑنے کی تقریب اور امام صاحب کے اسلاف کا وہاں سکونت پذیر ہونا

سرہند سے پانچ کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے وہاں قیام کیا تو گاؤں والوں نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ دہلی میں جاکر از راہ مہربانی پادشاہ سے سفارش کیجیے گا کہ ہمیں یہاں ایک شہر بسا دے جنگل بڑا وحشت ناک ہے سامانہ کا شہر یہاں سے بہت دور ہے اور مالگذاری کا روپیہ وہاں داخل کرنے میں ہمیں دقت ہوتی ہے شیخ موصوف نے ان کی استدعا قبول کر کے بادشاہ سے سفارش کی اور سلطان فیروز شاہ نے جو اُس وقت ہندوستان کے فرمانروا تھے سفارش منظور کر کے یہاں قلعہ کی بنیاد ڈالی اور سرہند کا شہر تعمیر کرایا۔ شہر تعمیر ہونے پر بادشاہ نے شیخ مذکور سے التماس کی کہ وہ اسی جگہ سکونت اختیار فرمائیں اور وہاں کے محصولات کی جو کچھ آمدنی ہو وہ اپنی حسب مرضی فقراء اور درویشوں پر صرف کیا کریں۔ چنانچہ شیخ رفیع الدین نے وہاں مستقل سکونت اختیار کی، اور ان کی نسل میں امام صاحب ایسے آفتاب طریقت پیدا ہوئے جس نے نہ صرف سرہند کو بلکہ تمام دنیا کو منور فرمایا اور آج ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں عقیدت مند ان کے حلقہ بگوش ہیں اور ان سے منسوب ہونا اور اپنے تئیں مجددی کہلانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔

امام صاحب کے والد بزرگوار کا مختصر حال

آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبدالاحد ہے۔ شروع جوانی میں علوم ظاہری

Marfat.com

کی تحصیل کر رہے تھے کہ یکایک راہِ باطنی کا شوق دامنگیر ہوا۔ اپنے تئیں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں پہنچایا بیعت سے مشرف ہو کر درویشوں کے ساتھ رہنے کی درخواست کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ پہلا فرض علوم دین کی تحصیل ہے بے علم درویش کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اس لئے پہلے علوم دینیہ کی تکمیل کر و۔ یہ سنا تو شیخ کی کبرسنی پر خیال کر کے عرض کی کہ مجھے خوف ہے کہ میں پھر اس صحبتِ گرامی کو نہ پاؤں اور اس نعمتِ عظمےٰ (سلوک راہِ تصوف) سے محروم رہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو میرے فرزند رکن الدین سے استفادہ کرو۔ حسب الحکم تحصیل علم کے لئے رخصت ہوئے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس آئے تو حضرت شیخ کا انتقال ہو چکا تھا۔ شیخ رکن الدین کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور ان کے فیض صحبت سے طریقۂ قادریہ اور چشتیہ کی خلافت حاصل کر کے طالبانِ راہ حق کی تلقین و تربیت میں مشغول ہوئے علاوہ ازیں حضرت شیخ جلال تھانیسری کے فیضِ صحبت سے بھی بہرۂ کافی حاصل کیا اور ان کے توسط سے حضرت شاہ کمال کیتھلی سے بھی ملاقات ہوئی چنانچہ ان دونوں بزرگوں (شیخ عبدالاحد والد مجدد صاحب اور شاہ کمال) کی الفت حد درجہ تک پہنچ گئی اور بسا اوقات حضرت شاہ کمال کی مصاحبت سے بھی آپ کو بیش بہا فوائد اور فیوض حاصل ہوئے، سنہ ۱۰۰۷ھ میں آپکا انتقال ہوا آپ کے سات صاحبزادے تھے حضرت مجدد صاحب عمر کے لحاظ سے چوتھے مرتبہ میں واقع ہوئے ہیں ؎

امام صاحب کی ولادت اور عہد طفولیت

ولادتِ باسعادت حضرت مجدد کی سنہ ۹۷۱ ہجری شہر سرہند میں ہوئی۔ ایامِ طفولیت

Marfat.com

میں ہر ایک فطرت شناس بزرگ جو آپ کو دیکھتا بے ساختہ کہہ اُٹھتا کہ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (اس کی فطرت کا چراغ خود بخود بھڑک اٹھنے کے لئے آمادہ ہے) حضرت شاہ صاحب جب کبھی سرہند میں تشریف لاتے تو ان کے حالات پہ نہایت ہی توجہ فرماتے۔

امام صاحب کا مکتب میں بیٹھنا اور حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو کر تحصیل علوم میں مشغول ہونا

چار سال کی عمر میں آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا اور بہت جلد آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد اپنے والد کے ہاں تحصیلِ علوم میں مشغول ہوئے اور اکثر علوم انہی سے حاصل کئے۔ علم میں وہ ملکہ پیدا کیا کہ دقیق سے دقیق مسائل کو پانی کی طرح حل کر دیا کرتے —

علاوہ ازیں اس زمانہ کے دوسرے علمائے کبار سے بھی استفادہ کیا چنانچہ سیالکوٹ پہنچ کر مولانا محقق کمال کشمیری سے عضدی وغیرہ مشکل کتابیں پڑھیں اور علم حدیث میں شیخ یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشانی کو اُستاد بنایا۔ شیخ یعقوب وہ شخص ہیں جنہوں نے مدتوں حرمین شریفین میں رہ کر وہاں کے بڑے بڑے محدثین سے کتب حدیث کی سند حاصل کی تھی۔ قاضی بہلول کے آباؤ اجداد نے علم حدیث میں بڑا نام پایا تھا اور ان کا خاندان دوائر علمیہ میں بیت الحدیث کے لقب سے مشہور تھا۔

Marfat.com

امام صاحب کا فارغ التحصیل ہو کر مسند افادہ پر بیٹھنا اور طلباء کو درس دینا

تحصیلِ علومِ معقول و منقول اور استفادۂ فروع و اصول سے فارغ ہو کر مسند افادہ اور تدریس پر جلوہ آرا ہوئے اور ایک مدت تک علوم کے تشنہ لبوں کو اپنے رشحات فیض سے سیراب فرماتے رہے۔ آپ نے اس زمانے میں بعض عالمانہ رسائل بھی نہایت فصیح و بلیغ عربی اور فارسی زبان میں تالیف فرمائے۔ منجملہ ان کے رسالہ تہلیلیہ ہے جو عقائد اہل تشیع کی تردید میں لکھا گیا ہے ۔

حضرت شیخ کا آگرہ میں تشریف لے جانا اور فیضی اور ابوالفضل سے ملاقی ہونا

ان دنوں میں آگرہ دارالسلطنت تھا۔ اکبر بادشاہ کا زمانہ تھا اور وہاں علماء و فضلاء کی کثرت رہتی تھی۔ آپ کو بھی وہاں جانے کا شوق دامنگیر ہوا اور جب آپ آگرہ میں تشریف لے گئے تو آپ کے علم و فضل کا بڑا چرچا ہوا، فیضی اور ابوالفضل مشہور اہل کمال اور مقرب سلطانی تھے۔ انہوں نے چاہا کہ حضرت امام صاحب ان کے مکان پر تشریف لے جائیں لیکن آپ نے اپنی خود داری (احترام نفس) میں فرق نہیں آنے دیا چونکہ وہ خود اہلِ علم اور علم کے قدر شناس تھے خود آپ سے ملنے کے لئے آئے اور اپنے مکان پر لے جا کر تین دن تک مہمان رکھا۔ ربط ضبط بڑھ جانے پر جانبین سے ملاقات کا سلسلہ قائم ہوا۔ کبھی وہ

Marfat.com

آپ کے مکان پر آتے اور کبھی آپ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے ؛

فیضی نے ایک ملاقات میں آپ سے بے نقط عبارت لکھنے کی استدعا کی

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ فیضی کے مکان پر گئے۔ اس وقت میں وہ اپنی مشہور بے نقط تفسیر لکھ رہا تھا۔ آپ کو دیکھ کر نہایت مسرت کا اظہار کیا اور کہنے لگا آپ خوب موقع پر تشریف لائے ہیں اس وقت ایک بڑی دقت میں مبتلا تھا۔ فلاں آیت کی تفسیر کو بے نقط حروف میں تعبیر کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ بڑی دیر سے دماغ سوزی کر رہا ہوں لیکن حسب دلخواہ عبارت نہیں بن آتی۔ حضرت کو باوجودیکہ اس قسم کی طبع آزمائی کرنے کا پہلے کبھی موقع نہیں ملا تھا مگر پھر بھی اس مقام کی تفسیر بے نقط حروف میں ایسی فصاحت و بلاغت سے تحریر فرمائی کہ فیضی دنگ رہ گیا ؛

امام صاحبؒ کی بیباکانہ حق گوئی اور تصلّبِ دینی کا ذکر

اظہارِ حق میں آپ مطلق خوف و لحاظ نہیں کرتے تھے اور جو حق بات ہوتی تھی بے دھڑک کہہ دیا کرتے تھے چنانچہ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان کی انتیس تاریخ پر عید الفطر کا چاند نظر نہ آیا۔ بادشاہ نے کہہ دیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور سب لوگوں نے عید منالی۔ عالموں نے بھی بادشاہ کی خاطر فتویٰ دے دیا۔ اتفاق سے اس دن امام صاحب ابوالفضل کے مکان پر تشریف لے گئے ؛ ابوالفضل نے کہا کہ مجھے آپ کے چہرہ سے روزہ کے آثار معلوم ہوتے ہیں ؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ ابوالفضل نے کہا آخر سبب کیا ؟ فرمایا اس قدر کدورت

Marfat.com

آسمان پر نہیں تھی کہ بادشاہ کے سوا اور کسی کو چاند نظر نہ آسکا۔ جبتک ایک جم غفیر شہادت نہ دے عید الفطر کا حکم شرعًا نہیں دیا جا سکتا۔ ابوالفضل نے کہا یہ باتیں جانے دیجئے اور روزہ افطار کیجئے یہ کہہ کر پانی منگایا لیکن امام صاحب نے کٹورے کو ہاتھ سے ہٹا کر سب پانی گرا دیا ؂

امام صاحبؒ کا سرہند میں واپس آنا اور کسب طریقت کی ابتداء

غرض آگرہ میں آپ کی طبیعت لگ گئی اور ایک مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے آپ کے والد ماجد کو آپ کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور بذات خود آگرہ میں آکر امام صاحب کو اپنے ساتھ سرہند میں لے گئے۔ اس کے بعد امام صاحب اپنے والد ماجد ہی کی خدمت میں رہے اس اثنا میں اپنے والد بزرگوار سے طریقۂ قادریہ کے اصول کے مطابق کسب طریقت کرتے رہے اور بہت سے فوائد باطنیہ حاصل کئے۔ طریقۂ چشتیہ کی "نسبت" بھی آپ کو یہاں سے حاصل ہوئی۔ لیکن کمال تقوے اور اتباع سنت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے بفحوائے خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ صاف بات لے لیا کرو اور کدورت آمیز باتوں کو جانے دو، سماع اور تواجد و رقص وغیرہ سے جو اس سلسلۂ عالیہ کی رسم ہے بہت احتراز فرماتے تھے ؂

امام صاحبؒ کا اپنے والد ماجد کے بعد حج کا ارادہ کرنا اور دہلی میں پہنچکر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے فیوض باطنیہ کے استفادہ میں مشغول ہو جانا

آپ کو حج کعبہ اور زیارت روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت اشتیاق

Marfat.com

دامنگیر رہا کرتا تھا لیکن اپنے والدِ بزرگوار کی کبرسنی پر خیال کرکے اس ارادہ کو عمل میں نہیں لا سکتے تھے۔ جب قضائے الٰہی سے حضرت والد ماجد کا ۱۰۰۷ ہجری میں انتقال ہوگیا تو آپ نے ۱۰۰۸ ہجری میں سفر حرمین شریفین کے لئے تیاری کی۔ دہلی پہنچ کر مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی جو آپ کے آشنائے قدیم اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مخلصانِ صمیم میں سے تھے۔ انہوں نے آپ سے حضرت خواجہ کا ذکر کیا اور کہا کہ آج سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ان کی نظیر چار دانگ عالم میں نہیں پائی جاتی۔ طالبانِ راہِ حق کو ان کی ایک ہی صحبت با برکت میں وہ فیوض اور فوائد باطنی حاصل ہوتے ہیں جو دوسروں کو سالہا سال کی ریاضاتِ شاقہ اور برسوں کے چلّوں سے بھی میسر نہیں ہوتے چنانچہ آپ خواجہ صاحب کی خدمت میں زیارت کیلئے حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے ارادہ دریافت فرمایا آپ نے عرض کی زیارتِ کعبہ کا شوق دامنگیر ہے۔ حضرت خواجہ نے فراست ایمانی کے نور سے آپ کی فطری استعداد کو معلوم کرکے فرمایا مبارک ارادہ ہے لیکن اگر چند دن فقراء کی صحبت میں رہو تو کچھ حرج نہیں۔ آپ نے ایک ہفتہ کے لئے قیام کا عزم مصمم کرلیا۔ ان دنوں میں آپ پر خود بخود کسبِ طریقت اور تکمیل راہِ تصوف کا اشتیاق غالب ہوا۔ حضرت خواجہ ایسے قابل جوہر کی تربیت کے لئے پہلے ہی سے آمادہ تھے۔ دو تین مہینہ تک حضرت خواجہ کی صحبت میں رہنے سے آپ نے وہ فیوض و برکات حاصل کئے اور ان مدارج عالیہ تک ترقی ہوئی جس کی ادنیٰ ترین کیفیت کا اظہار کرنے سے بھی قلم زبان اور زبانِ قلم قاصر ہے۔

Marfat.com

امام صاحب کا خلافت حاصل کر کے اپنے وطن کو معاودت کرنا

الغرض خداوند پاک جل وعلا کے فضل اور حضرت خواجہؒ کے حسنِ تربیت سے آپ اس درجے تک پہنچے کہ دوسروں کی تکمیل وارشاد کا جلیل القدر منصب ان کو تفویض ہوا چنانچہ حضرت خواجہؒ نے ان کو اپنی خلافت سے مشرف کر کے طالبانِ راہِ حق کی تربیت کی اجازتِ کاملہ عطا فرمائی اور سرہند کو جو آپ کا وطنِ مالوف تھا واپس فرمایا۔ حضرت خواجہ نے رخصت فرماتے وقت ایک جماعت طالبانِ صادق کی بھی آپ کے ہمراہ کر دی ؛

امام صاحب کا دوسری دفعہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہونا

کچھ مدت کے بعد پھر آپ کو حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کا شوقِ ملازمت دامنگیر ہوا اور فوراً سرہند سے دہلی چلے گئے۔ مدتِ مدید تک پیر بزرگوار کی خدمت بابرکت میں رہے اور عظیم الشان معنوی فتوحات حاصل کیں۔ اس اثنا میں حضرت خواجہؒ نے ان طالبانِ حق کی تربیت وارشاد کا کام بھی آپ کے حوالہ فرمایا جو خود حضرت شیخ کی صحبت میں جویانِ فیض تھے اور آپ نے زمانۂ دراز تک حضرت خواجہ کے سامنے تکمیلِ طلاب میں مشغول رہ کر بالآخر اپنے وطن مالوف کو مراجعت فرمائی ؛

امام صاحب کا تیسری مرتبہ اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں پہنچنا

ابھی بہت عرصہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ آپ پھر حضرت خواجہ کی زیارت

Marfat.com

کے لئے دہلی تشریف لے آئے حضرت خواجہ اس وقت سخت بیمار تھے اور زندگی کی امید بہت کم تھی۔ انہوں نے اپنے فرزندانِ ارجمند خواجہ عبید اللہ اور خواجہ محمد عبید اللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے بلا کر آپ سے فرمایا کہ ان کے حق میں اہل تصوّف کے اصول کے مطابق باقاعدہ "توجہ" کریں۔ آپ نے حضرت خواجہ کے ارشاد کے بموجب پیرزادوں کے حق میں توجہات عالیہ فرمائیں چنانچہ ان کا اثر دونوں صاحب زادوں میں بیّن طور پر ظاہر ہوا۔ آپ وہاں چند دن قیام کر کے واپس سرہند تشریف لائے اور پھر آپ کو حضرت خواجہ کی ملاقات میسر نہ ہو سکی۔

امام صاحب کا لاہور تشریف لیجانا اور وہاں کے لوگوں کو حقائق تصوّف سے لذت آشنا کرنا

تھوڑی دیر تک آپ وطن میں رہے اس کے بعد آپ حضرت خواجہ کے ایماء سے لاہور تشریف لے گئے وہاں کے سب چھوٹے بڑوں نے آپ کی نہایت تعظیم کی بے شمار لوگ آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے اور ہزاروں خلق اللہ نے آپ کے فیوض باطنی سے استفادہ کیا۔

امام صاحب کو حضرت خواجہ کے انتقال کی خبر پہنچنا

لاہور میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچی۔ آپ یہ خبر سنتے ہی لاہور سے دہلی میں آئے۔ حضرت خواجہ کی وفات سے ایک اضطراب پھیلا ہوا تھا آپ کے تشریف لانے سے سب کو تسکین ہو گئی اور تشنہ لبان معارف نے تربیت اور صحبت کے لئے التماس کیا آپ نے قبول کیا اور ایک مدت تک وہاں

Marfat.com

قیام فرما کر ارشاد و تکمیل طالبان صادق کی کرتے رہے۔ ارادت مندان طریقت کو ویسے ہی فیوض و برکات حاصل ہونے لگے جو حضرت خواجہ کی حیات میں ان کو میسّر ہوتے تھے۔

دہلی میں جا کر کچھ مدت تک وہاں مقیم رہنا اور پھر وطن کو معاودت فرمانا

بعض حاسدوں نے فتنہ پردازی کر کے حضرت خواجہ کے مخلصوں میں ناچاقی پیدا کر دی اور طرح طرح کے شبہات ان کے دلوں میں ڈال دیئے۔ امام صاحب نے ہر چند سمجھایا اور اخلاص و اتحاد کی تاکید فرمائی لیکن ان پر کچھ مفید اثر نہ ہوا اس لئے آپ نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور سرہند کو تشریف لے آئے اس کے بعد امام صاحب کا یہ معمول رہا کہ ہر سال عرس کی تقریب سے دہلی میں تشریف لے جاتے اور پھر جلد تر اپنے وطن مالوف کو معاودت فرماتے۔

امام صاحب کے مخالفین نے اُن کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی

ہر ایک زمانے میں ظاہر پرست اہل جمود کا ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے جو اولیاء اور اہل اللہ کے منکر ہوتے ہیں۔ ان کو بغض اور عداوت کی نظروں سے دیکھتے اور ان کی تکلیف و ایذا میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے ہیں۔ امام صاحب کا عہد بھی اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ آپ کے مقابلے میں بھی ایک ایسی جماعت موجود تھی جو آپ کی مخالفت پر کمر بستہ اور آپ کے عروج اور روز افزوں ترقی و کامیابی کو کبھی دل شاد ہو کر ٹھنڈی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتی تھی ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدیؔ و در چشم دشمناں خار است

Marfat.com

ان لوگوں کا امام صاحب پر کسی طرح بس نہیں چل سکتا تھا اس لئے وہ دل ہی دل میں جلا کرتے اور موقع کے منتظر رہتے۔ ایک دفعہ امام صاحب نے حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا جس میں انہوں نے اپنے متعلق عروجِ مقامات وغیرہ کی کیفیت بطورِ عرضِ حال لکھی تھی۔ اس میں یہ فقرہ بھی لکھا تھا کہ " فوق آں مقام صدیق اکبر ظاہر شد پس، بآں مقام رسیدہ شد الخ"۔ مخالفین و حسّاد نے اس موقعے کو غنیمت سمجھ کر اس عریضے کی ایک نقل نورالدین جہانگیر بادشاہ کے دربار میں پیش کی اور کہا کہ یہ شخص اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی افضل جانتا ہے، بادشاہ ان کلمات کو سن کر برافروختہ ہو گیا اور امام صاحب کی طلبی کا حکم صادر کیا جب آپ تشریف لائے تو پہلا سوال بادشاہ نے یہ کیا کہ تم اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل جانتے ہو؟ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ عریضہ کی عبارت کے متعلق فرمایا کہ اس میں سیر و سلوک اور باطنی عروج مقامات کا ذکر ہے جو صوفیہ کو پیر کامل کی توجہ سے میسر ہوتا ہے۔ اس سے افضلیت کا کچھ بھی ... توہم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی توضیح ایک مثال سے ہو سکتی ہے مثلاً شاہی دربار میں امرائے نامدار اور منصبداران ذی اقتدار حسب مرتبہ حاضر رہتے ہیں لیکن اگر بادشاہ کسی ادنیٰ سپاہی یا چپراسی کو ایک لحظہ بھر کے لئے اپنے پاس بلالے ذرہ سی دیر کے لئے اس کو بساط قرب پر کھڑا رہنے دے اور پھر اپنی جگہ پر بھیجدے تو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سپاہی یا چپراسی ان امراء اور وزراء کے برابر یا ان سے افضل ہے جو حقیقی طور پر مقربان بارگاہ ہیں گو ایک لمحہ کے لئے وہ ان مقرب امراء و وزراء کی کرسیوں سے آگے گذر کر بادشاہ کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہو گیا۔ ہمارے عروج

Marfat.com

کی بھی بعینہٖ یہی مثال ہے۔ علاوہ ازیں ہیں نے اپنے عریضے میں تصریح کردی ہے کہ "بعکس آں مقام خود رانگین یافت" ایک صاف بات ہے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی چیز آفتاب کے عکس سے روشن ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص یا وہ چیز آفتاب کے مقام پر پہنچ گئی، زمین ہر روز آفتاب کے عکس سے رنگین ہوتی ہے لیکن زمین اور آفتاب کے مقام میں جو فرق ہے وہ ہر ایک شخص کو معلوم ہے۔ حضرت مجدد کے مدلل اور معقول کلام کو سن کر بادشاہ کا شک رفع ہوگیا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔

مخالفین دوبارہ کوشش کرنے میں کامیاب ہو گئے

مخالفوں کو جب اس تدبیر نامحمود میں کامیابی نہ ہوئی تو وہ ایک اور چال چلے اور بادشاہ کو دوسرے پیرایہ میں برافروختہ کیا۔ انہوں نے ایک مناسب وقت میں بادشاہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ شیخ احمد (امام صاحب) کے ہزاروں بلکہ لاکھوں مرید ہیں اور توران ماوراء النہر کے سلاطین اور حکمران اس کے حلقہ بگوش عقیدت مند ہیں سینکڑوں خلفاء اُن کے جابجا قیام رکھتے ہیں جنہوں نے شاہی سپاہ اور اکثر ارکان سلطنت کو بھی مسخر بنا رکھا ہے ان کا وجود سلطنت کے لئے سخت خطرناک ہے۔ ابھی سے اس کا انسداد کرنا چاہیئے ورنہ ع کار چو از دست رفت رنج و ندامت چہ سود۔ حضور اس کو اپنی مجلس سلطانی میں بلائیں اور سجدہ تحیتہ (تعظیمی سجدہ) کرنے کا حکم دیں اگر وہ سجدہ تحیتہ بجالایا تو بہتر، نہیں تو صاف ظاہر ہوگا۔ کہ وہ حضور والا کا مخالف ہے۔ امام صاحب بلائے گئے لیکن انہوں نے

Marfat.com

غیر خدا کے لئے سجدہ کرنے کو شرک بتا کر سجدہ کرنے سے قطعی انکار کیا۔ اب تو حاسدوں کی بن آئی انہوں نے ایک شور برپا کر دیا۔ خوشامد پرست علماء نے شیخ کو بادشاہ کا نافرمان قرار دے کر آپ کے قتل کا فتویٰ لکھ دیا۔ الغرض بادشاہ کے حکم سے امام صاحب گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے اور پورے دو برس محبوس رہے:-

قید خانہ میں بھی آپ کا وجود چشمۂ فیض ثابت ہوا

قیدیوں کے لئے آپ کا وجود مسعود برکت کبریٰ ثابت ہوا۔ ایک کثیر تعداد کافر قیدیوں کی مشرف باسلام ہوئی اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمانوں کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب فرمایا۔ گمراہ راہِ راست پر آئے اور متہدین مدارج عالیہ پر فائز اور سرفراز ہوئے۔ امام صاحب نے بادشاہ کے حق میں کبھی بد دعا نہیں کی بلکہ یہی فرماتے کہ میرا یہاں قید ہونا ایک امر مقدر تھا۔ خدا کے کاموں میں بڑی بڑی غامض حکمتیں ہوتی ہیں۔ بعض مقاماتِ عالیہ تک عروج حاصل کرنا اس نزولِ بلا پر منحصر تھا۔ علاوہ ازیں اگر جہانگیر مجھے یہاں نہ بھیجتا تو اتنے لوگ فوائدِ ظاہر اور باطن سے کیونکر مستفید ہوتے!

بادشاہ کا پشیمان ہو کر ارادتمندوں کے زمرہ میں داخل ہونا

دو سال کے بعد بادشاہ خود اپنی اس حرکتِ بے جا پر نادم ہوا حضرت شیخ کو اپنے پاس بلا کر بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ بیش از بیش معذرت کر کے ارادتمندوں کے حلقے میں داخل ہوا اور آپ سے اس قدر اتحاد بڑھا کہ اپنے پاس

Marfat.com

سے جدا تک نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ امام صاحب آٹھ سال تک برابر عسکر سلطانی کے ساتھ ساتھ رہا کئے۔ صاحب برکاتِ احمدیہ لکھتے ہیں کہ حضرت کے اس طرح عسکر سلطانی کے ہمراہ رہنے میں بھی بڑی حکمت تھی۔ بہت سے آدمی جو کسی وجہ سے آپ کی خدمت تک نہیں پہنچ سکتے تھے اس ذریعہ سے سعادت اندوز ہوئے اسی اثناء میں شاہزادہ خورم (جو پیچھے شاہ جہاں کے نام سے حکمران ہوا) نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی متعدد امراء اور وزراء آپ سے فیضیاب ہوئے اور امام صاحب کی کوشش سے شریعت مقدسہ کے کئی مردہ احکام از سر نو زندہ ہو کر جاری ہوئے۔

امام صاحب کا اپنے قربِ انتقال کو محسوس کر کے عزلت اختیار کرنا

سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں آپ اجمیر شریف میں تھے کہ آپ نے فرمایا "رحلت کے آثار قریب معلوم ہوتے ہیں" اور یہ عبارت سرہند میں صاحبزادوں کو لکھ کر بھیجی "ایام انقراض عمر نزدیک و فرزنداں دور" اس اثنا میں ایک سال اور گزر گیا اور آپ ایک مرتبہ پھر حضرت خواجہ معین الدین کی زیارت پر بشارت کے لئے اجمیر چلے گئے۔ جب واپس سرہند تشریف لائے تو آپ نے عزلت اختیار کی جمعہ کی نماز کے سوا کبھی باہر نہ آتے اور پانچوں وقت کی نماز باجماعت خلوت ہی میں ادا فرماتے۔ صاحبزادوں اور معدودے چند مخلص احباب کے سوا اور کوئی شخص اندر نہیں جانے پاتا تھا۔ اسی طرح زمانۂ تنہائی کو چھ سات مہینے گزر گئے تو آپ کو حسب معمول ضیق النفس کا دورہ عارض ہوا جو ہر سال ہوا کرتا تھا۔

Marfat.com

امام صاحبؒ کا بیمار ہونا اور بالآخر اسی بیماری سے رہگزار عالم بقا ہونا

مولانا بدرالدین سرہندی فرماتے ہیں کہ یہ سترہویں ذی الحجہ کا دن تھا ساتھ ہی بخار کی شکایت ہو گئی اور گذشتہ سالوں کی نسبت زیادہ تکلیف محسوس ہونے لگی، درمیان میں کچھ آفاقہ ہو گیا لیکن ۱۲ صفر کو ایک اتفاق پیش آیا عصر کا وقت تھا کہ آپ نے صوفیوں کو قبائیں بانٹنا شروع کیں۔ اس وقت آپ فقط فرجی پہنے ہوئے تھے، سردی کی وجہ سے بخار ہوا اور آپ صاحب فراش ہو گئے۔ اس ضعف کی حالت میں بھی آپ نے کوئی نماز بے جماعت نہیں پڑھی۔ قومہ و جلسہ اور دیگر آداب نماز اچھی طرح ادا فرماتے۔ مسنون اور مستحب دعاؤں تک کو ترک کرنا گوارا نہیں کرتے تھے ؏

امام صاحبؒ کی آخری وصیتیں

اس مرض میں آپ اکثر اوقات حاضرین کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا رہنے اور شریعتِ مقدسہ کے تمام تر احکام و آداب کی نہایت احتیاط کے ساتھ مراعات کرنے کی تاکید فرماتے تھے، یہ بھی فرماتے کہ میری تجہیز و تکفین میں حدودِ شرعیہ کا پورا پورا خیال رکھنا۔ یہ بھی وصیت فرمائی کہ میری قبر گمنام جگہ میں ہو۔ قبر کچی بنائی جائے اور پختہ بنانے سے احتراز کیا جائے۔ الغرض سہ شنبہ کے دن ۲۹ تاریخ صفر ۱۰۳۴ھ ہجری کو جبکہ آپ کی عمر شریف ۶۳ سال کی تھی وہ آفتاب حقیقت جس نے اپنے فیضان کے شعاعوں سے ایک عالم کو منور کر رکھا تھا غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؏

53455

Marfat.com

امام صاحبؒ کی تصنیفات

آپ نے متعدد تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے بعض مشہور کتب و رسائل کے نام یہ ہیں۔ رسالہ تہلیلیہ (رد روافض میں)، رسالہ اثبات النبوۃ۔ رسالہ مبدء و معاد۔ رسالہ مکاشفاتِ غیبیہ، رسالہ آداب المریدین۔ رسالہ معارف لدنیہ (اس میں آپنے اپنے مخصوص احوال و مقامات کا شرح و بسط سے ذکر فرمایا ہے) رسالہ ردّ شیعہ۔ تعلیقات عوارف (امام الطریقت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور و معروف مقبول عالم کتاب عوارف المعارف کے غوامض کی تشریح کی ہے) شرح رباعیات خواجہ عبد الباقی رح۔

امام صاحبؒ کی سب سے مشہور اور ممتاز تصنیف آپ کے مکتوبات ہیں جو تین ضخیم جلدوں میں ختم ہوئے ہیں جن کا ہر ایک مکتوب بجائے خود ایک مستقل رسالہ تصور کئے جانے کے قابل ہے آپ کی تمام تصانیف اور خصوصاً مکتوبات شریفہ تصوّف اور علم حقیقت کے اسرار و معارف سے لبریز ہیں۔ تصوف اور معرفت کے بڑے بڑے عظیم الشان اور معرکتہ الآرا مسائل کو نہایت خوبی کے ساتھ حل کیا گیا ہے کئی ایک اہم غلطیاں جو زمرۂ اہل تصوّف میں مدتہائے دراز سے چلی آتی تھیں اپنی تصنیفات میں جابجا ان کو رفع کرنے کی کوشش فرمائی ہے آپ کا طرز تحریر ہمیشہ مجتہدانہ ہوتا ہے اور اہم مسائل میں نہایت تحقیق و تدقیق سے کام لیتے ہیں۔ چونکہ آپ کی سوانحعمری کو نہایت اختصار کے ساتھ لکھنے کا التزام کیا گیا ہے اس لئے آپ کی مصنفات پر تفصیلی نظر نہیں کی جا سکتی۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اسی قدر اجمالی

Marfat.com

تذکرہ پر اکتفا فرمائیں ۔

امام صاحبؒ کی کرامات کو اس تذکرہ میں درج نہ کرنے کی وجہ

کسی خدا رسیدہ بزرگ اور ولی اللہ کی سوانحعمری کو عام طور پر مکمل نہیں سمجھا جاتا جبتک اس مردِ خدا کی کرامتوں کا بھی مفصل ذکر نہ کیا جائے جس کی وجہ بالکل واضح اور صاف ہے ۔ خرقِ عادات کے ذکر کرنے سے عموماً تذکرہ نویس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جس شخص کا تذکرہ (سوانحعمری) لکھنے کے لئے میں نے قلم اٹھایا ہے وہ درحقیقت صاحب ولایت ہے ورنہ تذکرہ نویس کے اصل مدعا کو مدنظر رکھ کر اُن کا بیان کرنا چنداں ضروری معلوم نہیں ہوتا کیونکہ بلحواے آیت کریمہ لقد کان فِی قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (سورہ یوسف رکوع ۱۲) ضرور انبیاء کے حالات بیان کرنے سے ذی عقل اور صاحب بصیرت مومنوں کو کسی نہ کسی طرح عبرت حاصل ہوتی ہے (کسی بڑے شخص کے حالات زندگی پڑھنے سے اپنے ہی لئے مختلف طریق پر عبرت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن مذکورہ بالا نقطۂ خیال سے (اثبات ولایت کے لحاظ سے) بھی میں خارق عادات کا ذکر کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں ۔ بہ وجوہ مفصلہ ذیل :- (۱) خارق عادت کی بحث اس قدر دقیق غامض اور پیچیدہ ہے کہ کسی شخص سے بظاہر خارق عادت کا سرزد ہونا ہرگز اسکی کرامت یا ولایت پر محمول نہیں کیا جا سکتا ۔ دقت بحث اور غموضِ حقیقت کی وجہ سے یہ مسئلہ ہمیشہ چوٹی کا معرکۃ الآرا مسئلہ رہا ہے ۔ جس کا نتیجہ بڑے بڑے عقلمندوں کے منکر خوارق یا منکر کرامت ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اس لئے کسی شخص کی ولایت ثابت کرنے کے لئے

Marfat.com

خارق عادت کے ظہور سے استدلال کرنا فضول ہے۔

(۲) بڑے بڑے ارباب طریقت اور خود امام صاحب نے اپنے مکتوبات میں تصریح فرمائی کہ خارقِ عادت کا معرضِ ظہور میں آنا کرامت اور ولایت کی دلیل نہیں۔ خواجہ عبداللہ انصاری جو بہت بڑے بزرگ صوفی اور تین لاکھ حدیث کے حافظ تھے فرماتے ہیں "اگر بر روے دریا روی خسے باشی واگر بر ہوا پری مگسے باشی۔ دل بدست آر تا کسے باشی" (اگر تو دریا پر بغیر کشتی کے چل سکتا ہے تو تیری وقعت ایک خس سے بڑھ کر نہیں۔ اگر تو ہوا پر پرواز کر سکتا ہے تو ایک مکھی سے زیادہ عظمت نہیں حاصل کر سکتا۔ دل کو قابو میں لا کہ تو آدمی بن جائے۔) "دل کو قابو میں لانا" یہ ایک پر معنے حقیقت ہے جس کی کسی قدر تفصیل احیاء علوم کے کتاب القلب کے مضامین دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سعدی علیہ الرحمۃ اپنی تصانیف میں عارفانِ طریقت کو صاحب دل کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں (فافہم) امام صاحب نے مکتوبات شریفہ میں کئی موقعوں پر نہایت زور کے ساتھ اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک موقعے پر لکھتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ جو بالاجماع انبیاء کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اولیائے امت سے کہیں بڑھ کر مرتبہ رکھتے ہیں ان سے بہت کم خارقِ عادت منقول ہیں تو کیا اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جن اولیاء سے بکثرت خارقِ عادت کا سرزد ہونا منقول ہے وہ صدیقِ اکبرؓ سے افضل ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خارقِ عادت کا ظہور ثبوت ولایت یا افضلیت کا معیار نہیں۔

(۳) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی صاحب اپنے ایک مشہور محققانہ رسالہ

Marfat.com

"القسطاس المستقیم" میں ایک نہایت واضح مثال بیان کر کے اس دقیق مسئلہ کو اس طرح حل فرماتے ہیں کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں حافظِ قرآن ہوں۔ اس کے ثبوت میں وہ دلیل پیش کرتا ہے کہ میں لاٹھی کو سانپ بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ عجیب و غریب فعل دکھا دیتا ہے۔ لیکن دوسرا ایک شخص ہے جو اس قسم کا کوئی کرشمہ نہیں دکھا سکتا اور نہ ایسے کرشموں کے دکھانے کا مدعی ہے وہ اپنے حافظِ قرآن ہونے کا اس طرح ثبوت دیتا ہے کہ قرآن کو اول سے آخر تک نوکِ زبان سے سنا دیتا ہے۔ بتلایئے تو کس شخص کے حافظِ قرآن ہونے پر زیادہ اعتبار ہوگا اور کس شخص کو تم سچے دل سے حافظ کہو گے اسی طرح طبیب ہونے کا سب سے زبردست ثبوت یہی ہے کہ اس کے علاج سے مریضوں کو شفا حاصل ہو اور تشخیصِ امراض کو طبی اصول کے مطابق بیان کر سکے"۔ پھر آگے چل کر امام صاحب (غزالیؒ) اس بحث کی تکمیل اس طرح فرماتے ہیں:- جس طرح حافظِ قرآن ہونے اور لاٹھی کو سانپ بنانے میں کچھ بھی مناسبت نہیں اسیطرح نبوت یا ولایت اور خارقِ عادت میں بھی لازم و ملزوم ہونے کا کوئی علاقہ نہیں اصل بات یہ ہے کہ جس وصف کا اثبات کسی شخص میں مطلوب ہو پہلے اس وصف کی حقیقت اور مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے اور جب وہ مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اس وقت یہ معلوم کرنا دشوار نہیں کہ کون اس وصف سے بہرہ ور ہے اور کس میں یہ وصف نہیں پایا جاتا پہلے طب کا مفہوم یاد کر لو اور پھر تمہیں خود بخود معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص طبیب ہے یا نہیں۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ جو شخص لاٹھی کو سانپ بنا سکتا ہے وہ حافظِ

Marfat.com

قرآن یا طبیب بھی ہو (مسمریزم کے حیرت انگیز کرشموں نے آج کل اس مسئلہ پر روشنی ڈالدی ہے) اسی طرح نبوت اور ولایت کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کی کوشش کرو اور تمہیں فوراً معلوم ہوجائیگا کہ کون نبی یا ولی صادق ہے اور کون مدعی کاذب ..... قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اسی اصول کے مطابق ثابت کیا گیا ہے۔ یہ ایک طویل الذیل مضمون ہے جس پر مفصل بحث کرنے کی اس مختصر رسالہ میں کسی طرح گنجائش نہیں۔ ایک ہی آیت شریف لکھ کر ختم کرتا ہوں: وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ۔ (مخالف لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ خارقِ عادات کا اظہار کیوں نہیں کرتے (لفظی معنے۔ اس پر خدا کی نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوتیں) تو کہہ دے کہ خارقِ عادات کا ظہور خدا کے اختیار میں ہے اور میں تو صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا وہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے ان کے لئے تمہاری نبوت کا زبردست ثبوت نہیں؟" نبوت کے مفہوم پر غور کریں اور انبیاء کے طرز تعلیم کو پیش نظر رکھ کر خود فیصلہ کریں کہ قرآن کی معنی خیز اور مؤثر تعلیم ایک کذاب مفتری کے منہ سے صادر ہونا ممکن ہے؟) الغرض ان وجوہ کی بنا پر امامؒ صاحب کی سوانحعمری میں خارقِ عادت کا ذکر عمداً ترک کر دیا گیا ہے۔ آپ کی تصنیفات اور آپ کی تعلیمات کو اگر غور و امعان سے مطالعہ کیا جائے تو ایک مبصر کی نقاد نظروں میں آپ کی ولایت اور ہادیٔ طریقت ہونے کا سب سے زیادہ زبردست ثبوت ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے بایدت رو منتاب

Marfat.com

علاوہ ازیں امام صاحب ایک مسلم الولایت شیخ طریقت ہیں جن کے سینکڑوں خلفاء آج بھی مسند ارشاد و تکمیل پر جلوہ آرا ہو کر طالبانِ صادق کی روحانی تربیت میں مشغول ہیں اور ایک عالم کو اپنے فیضِ باطن سے مستفید کر رہے ہیں۔ طریقہ علیہ نقشبندیہ میں شاخ مجدّدیہ کی بنا انہوں نے ڈالی ہے اور اب تمام مشائخ نقشبندیہ مجدّدی کہلانا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ ایسے بزرگ کی ولایت کو خارقِ عادت کی طویل الذیل اور کثیر الفروع داستان چھیڑ کر ثابت کرنا میری ناقص رائے میں یاوہ گوئی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا: وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ (ہر ایک شخص کا مذہب عشق جداگانہ ہے) والسلام خیر ختام ؁

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا مکتوب (۱)

(شیخ محمد مکی فرزند حاجی قاری موسیٰ لاہوری کے نام)

ولایت کے درجات۔ ولایتِ محمدی کا بیان۔ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی مدح، اس طریقہ کے علو نسبت کا بیان۔ تمام طریقوں کی نسبت سے یہ نسبت اعلیٰ وافضل ہے۔ اس نسبت میں حضورِ دائمی حاصل ہوتا ہے ۔۔۔

آپ کا نامۂ گرامی نیاز مند کو ملا۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لاکر بارگاہِ الٰہی جل شانہ سے التماس ہے کہ خداوند کریم آپ کو اجرِ عظیم عنایت کرے مشکلیں آسان کر دے اور وسعتِ صدر نصیب کرکے اپنے جناب والا میں آپ کی معذرت اور توبہ قبول فرمائے۔

بھائیو! یہ جان لو کہ موت حقیقی کے ظہور میں آنے سے پہلے جب تک موت مجازی حاصل نہ ہو جس کو حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں تب تک خدائے پاک کے جنابِ قدس میں واصل اور بار یاب ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ بلکہ اس مرتبۂ عالیہ کے حصول سے پہلے یہ بھی محال ہے کہ

Marfat.com

معبوداتِ باطلہ آفاقیہ وانفسیہ کی پرستش سے رستگاری میسّر ہو۔ بندگانِ خاص کے مقدس گروہ میں داخل ہونا اور اوتاد[۲] و ولایت کے رتبۂ جلیلہ سے فائز ہونا تو درکنار مرحلۂ فنا کو طے کرنے سے پیشتر حقیقی اسلام اور کامل ایمان بھی تو نہیں حاصل ہوتا لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ مراتبِ ولایت کا یہ پہلا درجہ ہے اور تصوف و عرفان کی دشوار گذار وادی میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے یہی کمال حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ جس شئے کی ابتدائی منزل اتنی اہمیت رکھتی ہے اس کا نقطۂ عروج اور منتہائے کمال کتنا وقیع ہوگا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

---

[۱] جو اشیا نفس انسان سے باہر عالم میں موجود ہیں ان کو آفاق کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت امام صاحب نے معبودات باطلہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں (۱) آفاقیہ (۲) انفسیہ۔ جن چیزوں کی خارج میں پرستش کی جاتی ہے اور جو عام مشرکوں کی معبود واقع ہوئی ہیں مثلاً آفتاب، عناصر، دیوتا وغیرہ ان سب کو معبودات آفاقیہ یا الٰہیہ آفاقیہ کہیں گے بعض اوصاف خود باطنِ انسان میں موجود ہیں جن کی وہ پرستش کرتا ہے مثلاً حرص، ہوا و ہوس، تکبر وغیرہ عادات رذیلہ۔ جو شخص ان اوصاف میں اتنا منہمک ہے کہ ان اوصاف کے مقتضا کے خلاف ہرگز نہیں کرتا تو یہی ان اوصاف رذیلہ کی پرستش ہے اور یہ اس کے معبودات انفسیہ یا الٰہیہ انفسیہ کہلائیں گے۔

[۲] حضرات صوفیہ نے اولیاء اللہ کے مختلف اقسام کے لئے اپنی اصطلاح میں مختلف نام مقرر کئے ہیں۔ کسی کو غوث کسی کو قطب اور کسی کو ابدال کہتے ہیں اور ایک صنف کا نام اوتاد ہے :۔

Marfat.com

ولایت کے مختلف درجے ہیں اور ان میں فاضل اور مفضول کے لحاظ سے برابر فرق پایا جاتا ہے۔ جتنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گذرے ہیں ہر ایک کے اصول ولایت اور طریقۂ وصول الی اللہ جداگانہ ہے۔ امت محمدیہؐ کے اولیاء اللہ میں وہ تمام اصول اور طریقے پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک نبی کے نقش قدم پر چلنے سے ایک ولایت مخصوصہ معرض ظہور میں آتی ہے جو اسی خاص نبی کی طرف منسوب کی جاتی ہے (مثلاً ولایت موسوی، ولایت عیسوی، ولایت ابراہیمی وغیرہ) ان سب میں اعلیٰ درجہ کی ولایت وہی ہے جو حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کے مطابق ہو۔ کیوں کہ وہ تجلی[1] ذاتی جس میں اسماء و صفات

---

[1] یہ ایک نہایت دقیق بحث ہے جس کی تشریح لفظوں میں کما حقہ نہیں کی جا سکتی۔ شیئون اور اعتبارات کے مفہوم میں ایک نازک فرق ہے جس کی تفسیر کرنے کا یہ موقعہ نہیں خود حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ نے ایک مکتوب میں اس کی ممکن توضیح فرما دی ہے البتہ اس قدر یاد رکھنا ضروری ہے کہ تجلی سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ خدائے پاک جل وعلا کی ذات کا مشاہدہ بچشم سر حاصل ہوتا ہے۔ ان معنوں میں تو حضرات انبیا کو بھی کبھی تجلی حاصل نہیں ہوئی۔ خود حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ نے متعدد مکاتیب میں صوفیہ خام کے اس خیال کا نہایت زور سے ابطال فرمایا۔ محققین صوفیہ کے نزدیک تجلی سے مراد ایک انکشاف تام کی حالت ہے۔ نور وغیرہ الفاظ تنگیٔ میدان عبارات کی وجہ سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اگر زیادہ تشریح مطلوب ہو اور اس مسئلہ کو حقیقی روشنی میں دیکھنا چاہیں تو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب مشکوٰۃ الانوار یا اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔ جس سے تجلی نور۔ حجاب وغیرہ سب الفاظ متعلقہ کی حقیقت جہاں تک علم و قال کا تعلق ہے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

Marfat.com

اور شیون و اعتبارات کا کیا بلحاظ ایجاب کے اور کیا بلحاظ سلب کے کچھ بھی اعتبار ملحوظ نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ولایت مخصوصہ کی خصوصیت ہے۔ تمام وجودی اور اعتباری حجابوں کا ذہنی اور خارجی دونوں حیثیتوں سے دور ہوجانا اسی ولایت کے طفیل میسّر ہوتا ہے جس کو عارفانِ خداشناس کے لفظوں میں وصلِ عُریاں کہتے ہیں اور اسی مقام پر وہم اور تخیل کے ظلماتی پردے حقیقتِ معرفت کے نورانی چہرے سے اُٹھ کر وجدِ حقیقی کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اگرچہ یہ ولایت اور یہ مقام فخر الانبیاء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے لیکن کاملانِ امت محمدیہ صلعم بھی اس عزیز الوجود مقام سے بے بہرہ و محروم نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے سے ان کو بھی اپنے پیمانۂ استعداد کے موافق پورا پورا بہرہ ملتا ہے، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ دولتِ عظمے آپ کو میسّر ہو، اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ اس درجۂ عالیہ تک آپ رسائی حاصل کریں تو سب سے مقدم بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہمہ تن مشغول ہوں۔

یہ تجلیٔ ذاتی جس کا حصول ولایتِ محمدیہ سے مخصوص ہے اکثر مشائخ صوفیاء کے نزدیک برقی کے نام ——— سے موسوم ہے جس کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ ایسی تجلی جس سے اہلِ حقیقت کے لفظوں میں وصلِ عریاں کی کیفیت نمودار ہوتی ہے اور جس میں اسماء صفات حاجب در روپوش ذات کبریائی جل وعلا نہیں ہوتے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ نہایت قلیل عرصے کے لئے یہ حالت کسی سعادت مند کو نصیب ہو تو ہو لیکن بہت جلد اسماء اور صفات کے حجاب ساتر ذات ہو کر اس نورِ محض کو

Marfat.com

محجوب کر دیئے ہیں۔جس طرح بجلی کوند کر پھر ظلمت کے پردے میں نہاں ہو جاتی ہے۔اسی طرح تجلیٔ ذاتی بھی ایک لمحہ بھر کے لئے رونما ہو کر مکرر نقاب اسماء و صفات کے پردے میں مستور ہو جاتی ہے اور عارف باللہ کے اکثر اوقات غیبتِ ذات (یعنی عدم حصول تجلی) کی حالت میں بسر ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ مشرب نقشبندیہ کے اکابر طریقت نے تصریح فرمائی ہے کہ مراتب عرفان کا منتہائے کمال یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے حضورِ ذاتی حاصل ہو جس کا دوسرا نام تجلیٔ ذاتی ہے جو حضور اور تجلی زائل ہو کر غیبت کے حال سے بدل جائے وہ درحقیقت کوئی معتد بہ کمال نہیں اور نہ اس کو اپنا مطمحِ نظر قرار دینا چاہیئے۔یہی وجہ ہے کہ دوسرے طریقوں کے باکمال اصحاب پر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر طریقت کو نمایاں تفوّق حاصل ہے اور ان کی نسبت[1] تمام دیگر مشائخ کی نسبتوں سے بلند اور برتر واقع ہوئی ہے۔خود اعیانِ طریقت کا قولِ ماثور یہی ہے کہ اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِیْعِ النِّسَبِ (ہمارے اصولِ طریقت کی پیروی سے جو منتہائے کمال حاصل ہوتا ہے وہ سب طریقوں کے منتہائے کمال سے اعلیٰ و ارفع ہے) نسبۃ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے مراد ان حضرات کے نزدیک دائمی طور پر حضور

---

[1] تمام مقاماتِ سلوک کو طے کر کے قلب عارف میں جو کیفیت ہمیشہ کے لئے راسخ و قائم رہتی ہے اور جو اس کے سلوک و عرفان کا نتیجہ اور زبدہ ہے اس کو اصطلاح تصوف میں نسبت کہتے ہیں۔چنانچہ متن کتاب میں بھی تشریح کی گئی ہے۔لیکن یہ تشریح ایک خاص پہلو لئے ہوئے ہے یعنی یہ تعریف خصوصاً اس نسبت کی ہے جو طریقۂ نقشبندیہ کا منتہائے سلوک ہے:۔

Marfat.com

ذاتی تجلیٔ ذاتی کا حاصل ہوتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان باکمال حضرات کے طریقے میں اسی منتہائے کمال (جو دوسرے مشائخ کے نزدیک ناممکن اور ممتنع الوجود ہے) اوّل شروع طریقت میں مطمحِ نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ حالت ان کی اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ کی حالت کے مشابہ ہے۔ ان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے ابتداہی میں وہ کمال حاصل ہوجاتا تھا جو دوسروں کو انتہا میں بھی شاذ و نادر میسر ہوتا ہے۔ اسی کو اندراج النہایۃ فی البدایۃ (آغاز میں وہی کمال حاصل ہوتا جو دوسروں کو انجام سلوک پر نصیب ہوتا ہے) کہتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولایت مخصوصہ کو دوسرے انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولائیتوں پر شرف اور تفوّق حاصل ہے اسی طرح حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کی ولایت کو بھی دوسرے طریقوں کی ولایت پر ترجیح اور شرف ہے کیوں نہ ہو انہی کا طریقہ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے (جن کو باتفاق اہل سنت افضل الصحابہ کا جلیل القدر خطاب دیا گیا ہے) بے شک بعض دوسرے طریقوں کے مشائخ کو بھی مذکورہ بالا نسبت ہوئی ہے لیکن ان کو بھی یہ سعادت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسط اور انہی کے توسّل سے حاصل ہوئی۔ چنانچہ شیخ ابوسعید خرّاز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقعہ پر اس کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ شیخ موصوف کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جبّۂ مبارک ملا تھا جس کی تفصیل مولانا جامی صاحب نے نفحات الانس میں لکھی ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ کی فضیلت بیان کرنے سے

Marfat.com

مدعا یہ ہے کہ طالبانِ حق کو اس طریقہ علیّہ کا فیض حاصل کرنے کی تشویق و تحریص ہو اور نہ اس کے کمالات کی تشریح کرتا مجھے کیا ضرور تھا۔ حضرت مولانا رومؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

شرح او حیف است با اہل جہاں
ہمچو رازِ عشق باید در نہاں

محبوب کے اوصاف و کمالات کی دنیا کے نااہل لوگوں سے تشریح و توضیح کرنا نہایت افسوسناک بات ہے اس کو عشق کے اسرار کی طرح چھپائے رکھنا ہی بہتر اور انسب ہے ؎

لیک گفتم وصف او تا رہ برند
پیش ازاں کز فوت آں حسرت خورند

بایں ہمہ میں نے اس کی کچھ نہ کچھ توصیف کر ہی دی کہ لوگ واقف ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوں پیشتر اس کے کہ یہ گراں بہا موقعہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں۔

Marfat.com

دوسرا مکتوب (۲۲)

شیخ عبدالمجید فرزند شیخ محمد مفتی لاہوری کے نام لکھا گیا

روح اور نفس کے آپس میں تعلق کی وجہ۔ ان کے عروج و نزول کا بیان، فنائے جسدی اور فنائے روحی، بقائے جسدی اور روحی، دعوت کا مقام، اصحاب استہلاک اولیاء اور وہ اولیاء جو مقام دعوت کی طرف راجع کئے گئے ہیں ان کے درمیان فرق۔

پاک اور بے عیب ہے وہ ذاتِ خدا جس نے نور اور ظلمت دو متضاد چیزوں کو یکجا کر دیا اور ایک جوہر لامکانی کو جو جہات ستہ سے کسی ایک جہت سے بھی منسوب نہیں جسم کے ساتھ اتصال دیا جو ہر طرح سے مکانی اور محدود بہ جہات ہے۔ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے نور کو عاشق اور ظلمت کو اس کا معشوق بنا دیا جس نے اس کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ اختلاط کیا۔ اس عجیب و غریب تعلق و ارتباط میں یہ راز مضمر ہے کہ اول الذکر کی نورانیت اور بھی چمکے اور تاریکی کے ساتھ ہم آغوش ہو کر وہ اور زیادہ جوہرِ درخشندہ بن جائے مثلاً جب ہم چاہتے ہیں کہ کسی آئینہ کو صیقل کریں اور وہ زیادہ شفاف اور مجلا ہو جائے تو اس کے منہ پر مٹی ملتے ہیں۔ اس کثیف اور ظلماتی عنصر کے ساتھ وصل پانے سے اس کی تمام کدورتیں اور کثافتیں زائل ہو کر وہ ایک ایسا جوہرِ تاباں بن جاتا ہے جس کو جامِ جہاں نما کہیں تو کچھ بیجا نہیں۔ اسی طرح روح کا جوہرِ نورانی جسد کے عناصرِ ظلمانی

Marfat.com

سے اتصال پاکر اور مزید روشنی حاصل کرتا ہے (عالمِ غیب[1] یا عالم ملکوت سے عالم شہادت میں اس کو اسی غایت اور نتیجہ کے لئے بھیجا گیا ہے) اس جوہرِ نورانی نے عالم شہادت میں آکر اور جسدِ ظلمانی کے ساتھ اتصال پاکر اس شہودِ قدسی کو فراموش کر دیا جو اس تعلق و اتصال سے پہلے اس کو عالمِ ملکوت میں حاصل تھا بلکہ اس جسم ہیولانی کے ساتھ اتنا ارتباط بڑھایا اور اس ظلمانی معشوق کے مشاہدۂ جمال نے اس کو یہاں تک مبہوت کر دیا کہ وہ اپنی ذات کی حقیقت اور لوازم حقیقت کو بھول بیٹھا۔

مولانا روم نے اسی مضمون کو ان لفظوں میں ادا کیا ہے ؎

مولوی گشتی و آگہ نیستی　　از کجا و تا کجا و کیستی

اسی غفلت اور نسیان کی بدولت وہ اصحاب الشمال کے فریق سے جا ملا اور اسی ظلمانی

---

[1] زمین و آسمان۔ بنی آدم اور حیوانات وغیرہ جو حواس بشری کے ادراک میں آسکتے ہیں عالمِ شہادت کہلاتا ہے لیکن جن اشیاء کو حس ظاہری سے کچھ بھی تعلق نہیں اور جو محض نورِ عقل سے دریافت ہو سکتی ہیں ان کا نام عالمِ غیب ہے۔ مثلاً ملائکہ، جنت اور دوزخ وغیرہ خود حضرتِ انسان کی روح بھی اسی عالم غیب کا ایک جوہر ہے جس کو چند در چند حکمتوں کے لئے عالمِ شہادت میں بھیجا گیا ہے اور جس کا رجوع پھر عالمِ غیب کی طرف ہوتا ہے۔ سلوک اور تصوف کا مقصود یہی ہے کہ اس کو اپنا مقرِ اصلی یاد دلا کر عالمِ غیب کی طرف متوجہ کریں۔ یہ ایک نہایت طویل الذیل مضمون ہے جس سے علمِ تصوف و معرفت کی کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن ان کا پیرایۂ بیان نہایت دقیق اور پیچیدہ ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رح کی کتاب احیاء العلوم اور حکیم امت محمدیہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ میں جستہ جستہ اس مضمون کی تشریح ملتی ہے۔

Marfat.com

معشوق کے ساتھ زائد از حد دلبستگی رکھنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اصحابُ الیمین کے کمالات سے وہ محروم اور بے بہرہ رہا۔ اگر بالفرض اس کو تمام زمانۂ حیات میں یہ موقعہ نہ ملا کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنے مقصودِ اصلی کی طرف متوجہ ہو اور معشوقِ ظلماتی کے مفرط اور زائد از حد تعشق میں مبتلا نہ ہو کر اسی قدر تعلق وارتباط رکھنے پر اکتفا کرے کہ جس غایت اور نتیجے کے حاصل ہونے کے لئے یہ تعلق وارتباط خالقِ عالم جل وعلا نے قائم کیا ہے تو یقین کر لیجئے کہ اس کی حالت سخت قابلِ افسوس ہے کیونکہ وہ آفرینشِ انسان کے مقصودِ اصلی سے بھٹک گیا اور اپنی استعدادِ کمالات کے جوہرِ نفیس کو اپنے نشۂ جہالت میں کھو بیٹھا۔ اور اسی لئے وہ گمراہوں کے زمرہ میں داخل ہوا لیکن اگر عنایتِ ازلی نے اس کا ساتھ دیا تو وہ ضرور حضیضِ جہالت سے سر اٹھانے کی کوشش کریگا اپنے ضائع کردہ جوہر کو پھر ہاتھ میں لانے کے لئے یقیناً سعیٔ بلیغ عمل میں لائیگا اور مقصودِ اصلی کی تلاش میں بزبانِ قال یا حال یہ شعر کہتا ہوا مشغول ہوگا ؎

اِلَیۡکَ یا مُنۡیَتِیۡ حَجِّیۡ وَمُعۡتَمَرِیۡ ۔ اِنۡ حَجَّ قَوۡمٌ اِلٰی تُرۡبٍ وَّاَحۡجَارٖ

میرے حقیقی محبوب! میرے دل کی عین خواہش اور آرزو اگر لوگ مٹی اور پتھروں کا حج کریں تو کریں میرا حج اور میرا عمرہ تو تیری محبت ہے۔

اگر وہ اس تگ ودو میں کامیاب ہوا۔ اگر دوبارہ اس کو شہودِ قدسی میں بہترین درجے پر وہی ملکوتی استغراق حاصل ہوا جو اس عالمِ تیرہ وتاریک میں قدم رکھنے سے پہلے حاصل تھا اور وہ اپنی تمام تر توجہ کامل طور پر جنابِ قدس جل وعلا کی طرف منعطف کرنے کی نعمتِ عظمےٰ سے بہرہ اندوز نہ ہوا تو ایسی حالت میں وہ ظلمتِ انوارِ قدس سے مغلوب ہو کر مفقود ومضمحل ہو جاتی ہے۔ اگر یہ

Marfat.com

استغراق اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ اپنے معشوق ظلمانی (کو جس کے ساتھ اس کا تعلق وارتباط ایک حکمتِ غامضہ پر مبنی ہے) بالکل فراموش کر دے اپنے وجود اور توابعِ وجود تک کو بھلا دے نورالانوار (یعنی نورِ ذاتِ الٰہی تعالیٰ وتقدس) کے مشاہدے میں وہ از خود رفتہ ہو جائے اور اپنے مطلوبِ حقیقی کا حضورِ ذاتی (جو سلوکِ طریقت کی غایت اور منتہا ہے۔ بے پردہ حجاب اس کو نصیب ہو تو کہیں گے کہ یہ صاحب سعادت فناء جسد و روح کے رتبۂ عالیہ سے فائز ہوا۔ اگر اس مرتبۂ فنا کے حاصل ہونے کے ساتھ ہی اس کو اس شہودِ قدسی میں بقا بھی میسر ہوئی تو سمجھ لیجئے کہ ولایت کے دونوں ضروری مراتب اس نے حاصل کر لئے۔ اس رتبہ تک پہنچ کر دو مختلف حالتیں پیش آیا کرتی ہیں:

(۱) وہ اپنے مشہودِ غیبی جل وعلا کے مطالعۂ ذات میں بالکل محو ہو جاتا ہے اور کسی وقت بھی وہ ذاتِ اقدس کے سوا غیر کی جانب ہرگز ہرگز توجہ والتفات نہیں کرتا۔

(۲) یہ کہ وہ منصبِ ارشاد وتکمیل پر مامور ہو کر عامۂ خلائق کو راہِ حق کی طرف دعوت کرنے میں مشغول ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کا باطن تو شہود قدسی میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کا ظاہر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مرتبۂ کمال پر

لہ جیسا کہ پہلے ایک ذیلی حاشیہ کے ضمن میں لکھا گیا ہے یہ بات ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نور وغیرہ الفاظ صرف تنگئ میدان عبارت کی وجہ سے لکھ دیے جاتے ہیں۔ ان سے محسوس نور کا توہم ہرگز نہ کریں۔ خداوند پاک جل وعلا کو جسمیت اور عوارض واوصاف جسمیت سے مقدس اور برتر خیال کریں۔

Marfat.com

فائز ہونے کی صورت میں اس عارف کا جوہرِ نورانی جس کی تمام تر توجہ مطلوبِ حقیقی پر محدود ہے ظلمتِ متصلہ کے تقید سے مخلصی پاتا ہے اور اسی مخلصی کی بدولت وہ زمرۂ اصحاب الیمین میں شامل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ جوہر نورانی (جو درحقیقت ذاتِ انسانی اور عالم بالا سے اتری ہوئی روحِ مجرّد ہے) نفس الامر میں یمین و شمال (راست وچپ) سے منسوب نہیں لیکن اظہار شرف وفضیلت کے لئے اس کو جانب یمین سے منسوب کرنا ہی اولیٰ اور انسب ہے اور گو دراصل دونوں جوانب (یمین وشمال) ایک چشم حقیقت بین کی نقاد نظروں میں یمن اور برکت کا باعث ہیں (توہّم پرستوں کے خیال کے برعکس کسی میں بھی نحوست نہیں) تاہم منبع خیرات ہونے کا مفہوم اوّل الذکر لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے سے گویا وہ واضح ہو جاتا ہے (اسی لئے ان باکمال لوگوں کو بسبب ان کے منبع خیرات وحسنات ہونے کے زبانِ شرع میں اصحاب الیمین سے تعبیر کیا گیا ہے) جس طرح کہ ایک حدیث صحیح میں (جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر مبارک فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ [1] الغرض اس حالت میں وہ جوہر نورانی ظلمتِ جسمانی کی کدورتوں سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ ظلمت اس جوہر نورانی کے انوار کا اثر قبول کر لیتی ہے جس سے اطاعت اوامر اور ادائے حقِ عبودیت میں ایک عجیب مدد ملتی ہے اس جوہرِ نورانی لامکانی سے ہماری مراد روحِ انسانی

---

[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ حق جل وعلا کے دونوں ہاتھ یمین کے وصف سے موصوف

Marfat.com

بلکہ روح کا بھی نقطۂ جوہر یا خلاصہ وزبدہ ہے اور ظلمت محدود بہ جہات اور منسوب بہ مکان سے مراد نفس امّارہ ہے۔ باطن وظاہر کے الفاظ بھی انہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جن اولیاء اللہ کو شہود قدسی اور مطالعۂ ذات میں استغراق اور محویت حاصل ہو (جن کا بیان شق اوّل میں کیا گیا ہے) وہ بھی تو احوالِ عالم سے مطلق بے خبر نہیں ہوتے ان کو تمام گردوپیش کے واقعات کا حساس ہوتا رہتا ہے اور اپنے ابنائے جنس کے ساتھ بھی گروہِ ثانی کی طرح (جن کا بیان شق دوم میں کیا گیا ہے) اختلاط اور میل جول رکھتے ہیں۔ اس لئے پہلے اور دوسرے فریق میں بظاہر کوئی تفاوت معلوم نہیں ہوتا اور یہ ایک جواب طلب مسئلہ ہے کہ اس استغراق اور توجہ بالکلیہ سے (جو فریق اوّل کا وصفِ لازم ہے) کیا مراد ہے؟

(بقیہ صفحہ ۴۰ سے آگے) ہیں۔ ہاتھ کا لفظ جب خدائے پاک جل وعلا کی طرف منسوب ہو تو اس سے جسمانی ہاتھ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اس قسم کے الفاظ جو قرآن وحدیث میں استعمال کیئے گئے ہیں ان کو متشابہات کہتے ہیں۔ ان کے متعلق علمائے متقدمین کے دو بڑے مشہور مذہب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان الفاظ کی حقیقت سمجھنے کے لئے زیادہ سر نہ کھپائیں۔ اجمالی طور پر ایمان لائیں اور اسی قدر اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ ان الفاظ کا جو کچھ مفہوم ہے وہ حق ہے۔ لیکن ظاہری معنے ہرگز مراد نہیں۔ دوسرا یہ کہ ان الفاظ سے۔ قاعدۂ استعمال مجاز کے مطابق ایک خاص مفہوم لیا جائے جس کو عربی میں تاویل کہتے ہیں۔ پہلا مذہب جمہور اہلِ سُنّت کا ہے۔ دوسرا قول معتزلہ اور بعض محققین کا ہے۔ زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو امام غزالی رح کی کتاب الجامع العلوم وغیرہ مطالعہ فرمائیں۔

Marfat.com

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ استغراق اور توجہ بالکلیہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عارف دنیا و مافیہا کا احساس تک نہ کرے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نفس کی خواص روح کے انوار سے مغلوب اور مضمحل ہوکر روح اور نفس دونوں ایک ساتھ جناب قدس کی طرف متوجہ رہیں۔ باقی رہا احوال و کیفیاتِ عالم کا احساس۔ سو اس کا تعلق انسان کے حواسِ خمسہ، جوارح (اعضا) اور قوائے جسمانی سے ہے جو نفس کے لئے بمنزلۂ فروع اور تفاصیل کے ہیں۔ الغرض ایسی حالت میں نفس تو فیضانِ انوارِ روح سے مغلوب و متاثر ہوکر شہودِ غیبی کے مطالعۂ ذات میں بالکل محو ہے لیکن اس کے فروع اور تفاصیل اپنے احساسات پر قائم ہیں جن میں کچھ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا (اور اس لئے اس کے محسوسات اور وجدانیات عام لوگوں کی طرح ہیں، لیکن فریقِ دوم (جن کو منصب ارشاد و تکمیل تفویض ہوتا ہے اور ان کو مرجوع الی العالم کہتے ہیں) کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کا نفس اصلاح پاکر اور مطمئنہ[1] کا درجہ حاصل کرکے ہمیشہ کے لئے روح کے ساتھ مشہودِ غیبی کے مطالعۂ

---

[1] نفسِ انسان کی تین مختلف حالتیں ہیں۔ اور ہر ایک حالت میں اس کا الگ نام ہے۔ پہلی حالت یہ ہے کہ نفس پر صفاتِ بہیمیہ اور سبعیہ کا غلبہ ہو اور وہ حق کی اطاعت سے بالکل گریز کرتا ہو ایسے نفس کو امارہ کہتے ہیں۔ دوسری حالت میں اس کی کیفیت کچھ بین بین سی ہوتی ہے ایک وقت معصیت کا ارتکاب کرتا ہے لیکن دوسرے وقت خود پشیمان ہوکر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے الغرض کبھی تو وہ بندۂ شیطان ہوتا ہے اور کبھی بندۂ رحمان بن جاتا ہے اس قسم کا نفس لوامہ کہلاتا ہے۔ تیسری حالت اس کی یہ ہے کہ وہ اپنی تمام سرکشی چھوڑ کر خوشنودئ الٰہی جل و علا کا بالکل مطیع ہو جائے اور خداوند پاک تبارک و تعالیٰ کے احکام و اوامر بجالانے میں اس کو لذت اور آرام حاصل ہو۔ اس حالت میں اس کا نام نفسِ مطمئنہ ہے۔

Marfat.com

ذات میں مشغول نہیں رہتا بلکہ دعوت اور ارشاد کی غرض سے ان انوار سے علیحدگی اختیار کر کے اہلِ عالم کی طرف رجوع کرتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ اس عارف میں اور ان لوگوں میں جن کی تکمیل و ارشاد کے لئے یہ عارف مامور ہے اچھی خاصی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کی دعوتِ حق کی قبولیت کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ حواس اور قویٰ کو بمنزلۂ تفاصیل نفس اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ نفس کو قلب صنوبری[۱] کے ساتھ ایک گونہ تعلق و ارتباط ہے اور روح کا تعلق و ارتباط بھی حقیقتِ جامعہ قلبیہ کے ذریعے سے اسی قلب صنوبری کے ساتھ ہے۔ اس لئے جس قدر فیوض و انوار روح کی جانب سے جوارح اور قوٰی پر فائض ہوتے ہیں

(بقیہ صفحہ ۴۲ سے آگے) یہ تینوں نام قرآن کریم میں بھی متفرق مقامات پر مذکور ہوئے ہیں صفاتِ بہیمیہ، سبعیہ اور ملکیہ کی حقیقت شرح وار سے مطلع ہونا چاہیں تو امام غزالی رح کے مقدمۂ کیمیائے سعادت کو ملاحظہ فرمائیں جس کا صاف شستہ اردو میں بھی ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ [۱] انسان کے بدن میں جو مضغۂ گوشت سینہ کے اندر موجود ہے اس کو قلب صنوبری کہتے ہیں۔ لیکن جس طرح انسان درحقیقت اسی بدن کا نام نہیں بلکہ اس میں عالم غیب کا ایک جوہر نورانی موجود ہے اور وہی حقیقی انسان ہے اسی طرح قلب صنوبری بھی حقیقۃً قلب نہیں، اسی قلبِ حقیقی کو امام صاحب نے حقیقتِ جامعہ قلبیہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ امام غزالی رح کی تحقیق کا ماحصل تو یہ ہے کہ روح نفس قلب اور عقل چاروں الفاظ اس جوہر غیبی کے مختلف نام ہیں جو حقیقی انسان ہے، اس مبحث کو امام غزالی رح نے احیاء العلوم کی کتاب النفس میں .... نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے لیکن حضرت مجدد صاحب کے نزدیک قلب، نفس اور روح کا مفہوم جداگانہ ہے جیسے کہ متن کی عبارت سے بھی صاف مترشح ہوتا ہے۔

وہ سب نفس ہی کے توسط سے معرضِ ظہور میں آتے ہیں لہٰذا جوارح اور قوٰے کے محسوسات اور مدرکات پہلے پہل نفس میں اجمالی طور پر ظہور پذیر ہو کر ثانیاً جوارح اور قویٰ میں تفصیلی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بنا بریں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حواس اور قوٰے نفس کے لئے بمنزلۂ فروع اور تفاصیل کے ہیں۔ اس تمام بسط و تفصیل سے ہر دو فریق میں جو مابہ الامتیاز ہے وہ واضح ہو گیا ہے۔ مزید برآں یہ بھی یاد رکھیں کہ پہلے فریق کے لوگ ارباب سکر[1] ہیں اور دوسرے اصحاب صحو۔ اوّل الذکر کو شرافت حاصل ہے تو مؤخر الذکر فریق فضیلت سے بہرہ مند ہے۔ پہلے فریق کی حالت ولایت کی حقیقت سے مناسبت رکھتی ہے۔ لیکن دوسرے فریق کو جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ مقام نبوت کے مناسب حال ہے۔ بارگاہ کبریائے الٰہی تعالیٰ و تقدس سے التجا ہے کہ ہمیں اولیائے کرام کی کرامت سے مشرف فرما کر ساتھ ہی انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کامل متابعت نصیب کرے اور اس حالت پر قیام و ثبات عنایت فرمائے۔ راقم[2] دعاگو کو اگرچہ بسبب عجمی ہونے کے عربی لکھنے میں چنداں مہارت نہیں تھی لیکن چونکہ آپ کا نامۂ والا عربی میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس لئے عربی ہی میں جواب لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

---

[1] سکر کے لفظی معنے نشہ اور صحو کے معنے نشہ میں نہ ہونے کی حالت۔ اہل تصوف ان الفاظ کو مجازاً ذیل کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جب عارف کو محبت الٰہی میں محویت حاصل ہو اور اس سے بے ساختہ ایسے اقوال یا افعال صادر ہونے لگیں جو خلاف شرع ہوں۔ ایسے بزرگوں کو اربابِ سکر کہتے ہیں اور ان کے فریق مقابل کو ارباب صحو۔

[2] راقم سے مراد امام صاحب ہیں۔ وہ اپنے کو راقم کے لفظ سے لکھتے ہیں اصل مکتوب شریف عربی میں لکھا گیا ہے۔

Marfat.com

تیسرا مکتوب (۲۳)

عبدالرحیم المشہور خاں خاناں کے نام اس کے خط کے جواب میں لکھا گیا

پیرِ ناقص سے اکتسابِ طریقت نہ کیا جائے اس میں کیا مضرت ہے
اہل کفر کے مشابہ کوئی لقب اختیار کرنے کی ممانعت

خدائے پاک ہم کو اور آپ کو بحرمتِ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام مقالِ[1]
خالی از حال اور علم بے عمل سے نجات بخشے ع ویرحم اللہ عبداً قال امینا
خدا تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جس نے از راہِ ہمدردی ہماری اس دعا پر آمین کہہ دیا۔ آپ
کا مکتوب برادرِ سعادت مند صداقت شعار نے پہنچایا اور ایک ترجمان کی حیثیت سے جو کچھ
آپ نے فرمایا تھا بیان کیا۔ سن کر میں بلبیاختہ یہ شعر زبان پر لایا ؎

اھلاً لسعدی والرسول حبذا
وجہ الرسول لحب وجہ المرسل

---

[1] مقال اور حال کا فرق خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ دوسرے مکتوبات میں بھی ان الفاظ کا اعادہ ہوگا ایک شخص درد کے معنے زبان سے بیان کرتا ہے لیکن دوسرا خود اس حالت میں مبتلا ہے پہلی حالت کا نام قال ہے اور دوسری حالت حال کہلاتی ہے۔ مزید توضیح کے لئے ایک اور مثال عرض کی جاتی ہے مقال یہ ہے کہ آدمی زبان سے شجاعت کی تعریف بیان کر دے اور اس کے متعلق لمبی چوڑی داستانیں بھی بیان کر سکے لیکن دل کی یہ کیفیت ہو کہ تلوار کو دیکھ کر رعشہ ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے ایک دوسرا شخص ہے جو سینہ سپر ہو کر لڑتا ہی۔ اول الذکر کی شجاعت صرف قال سے تعلق رکھتی ہے اور دوسرے کو شجاعت کا حال حاصل ہے ؎

Marfat.com

ترجمہ: میں نے اپنی معشوقہ اور اس کے قاصد کو مرحبا کہا اور محبوبہ کی وجہ سے قاصد بھی کیسا پیارا معلوم ہوتا ہے۔

میرے لائق اور ذی استعداد بھائی! خداوند تعالیٰ و تقدس آپ کے کمالات بالقوہ[1] کو فعل میں لائے یہ سمجھ لیجئے کہ یہ دنیاوی زندگی تحصیلِ کمالاتِ آخرت کے لئے ایک کھیتی ہے۔ اس شخص کی حالت نہایت قابلِ افسوس ہے جو زمینِ استعداد کو معطل چھوڑ کر اور اعمالِ صالح کی تخم ریزی سے غفلت کر کے کھیتی کا سامان کرے۔ یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کھیت کی خرابی دو طرح سے متصور ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں سرے سے کوئی بیج ہی نہ بویا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس میں خبیث اور زہر دار جڑی بوٹیوں کا تخم ڈالا جائے جو بہ نسبت قسم اوّل کے اور بھی زیادہ مضر اور خراب نتائج پیدا ہونے کا باعث ہے (یہ ایک استعارہ ہے آئندہ فقرے میں امام صاحب نے اس کی توضیح فرما دی ہے) تخم کی خرابی سے یہ مراد ہے کہ کسی پیرِ ناقص کو اپنا پیشوا مان کر اس کے نقشِ قدم پر چلیں۔ چونکہ وہ پیر خود بندۂ ہوس اور خواہشاتِ نفسانی کا تابع ہے اس لئے اوّل تو اس کی تلقین بے اثر ہوتی ہے لیکن اگر بالفرض کچھ اثر بھی کرے تو وہ اُلٹی تقویتِ ہوائے نفس کا موجب ہوگی جس سے بجائے روشن ضمیری کے تاریک دلی اور تیرہ اندرونی پیدا ہوگی۔ علاوہ اس کے پیرِ ناقص کو یہ بھی تو معلوم نہیں ہوتا کہ کونسا طریقہ موصل الی اللہ اور منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے اور کونسا طریقہ غیر موصل اور باعثِ ضلالت و تباہی ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے یعنی یہ کہ وہ خود منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا

---

[1] جس چیز میں ایک صفت کے حصول کی استعداد ہو لیکن ابھی وہ وصف معرضِ ظہور میں نہیں آیا تو کہیں گے کہ فلاں چیز میں فلاں خاصیت یا وصف بالقوہ موجود ہے ظہور میں آنے کا نام

Marfat.com

ہوتا۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ طالبانِ حق کی استعداد مختلف ہوتی ہیں اور اس لئے ہر ایک ارادتمند کو اس کی استعداد کے موافق جداگانہ طریقے پر تلقین کی جاتی ہے اس لئے وہ خدا کا بندہ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتا ہے۔ وہ اس امر سے بے خبر ہوتا ہے کہ جذبہ[1] (سیر انفسی) اور سلوک (سیر آفاقی) کا طریقہ آپس میں بالکل مختلف ہے۔ اور بسا اوقات ایک طالب حق کی استعداد کا مقتضا ہوتا ہے کہ واصل بحق ہونے کے لئے اس کو طریق جذبہ کی رہنمائی کی جائے کیوں کہ طریق سلوک پر چلنے کے لئے اس کی فطرت میں مناسبت نہیں۔ پیرِ ناقص ناواقفیتِ اصول اور استعداد سے روشناس نہ ہونے کی وجہ سے اس کو طریق سلوک پر چلاتا ہے جو اس کے حق میں خلافِ فطرت ہونے کے باعث اس کے لئے اور بھی موجب ضلالت ہوتا ہے۔

ان کے حال پر یہ آیت کریمہ بالکل صادق آتی ہے قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا (وہ لوگ خود تو پہلے سے گمراہ تھے اپنے تئیں کامل تصور کر کے دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا) اب اگر کوئی ایسا ہی طالب حق جسکی استعداد کو

(بقیہ صفحہ ۴۵ سے آگے) بالفعل ہے مثلاً ہر ایک انسان کا بالقوہ عالم ہونا صرف بعض افراد میں پایا جاتا ہے۔

(۱) جس طرح ہر ایک فن یا علم کے حاصل کرنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے اسی طرح معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے بھی مختلف بزرگانِ طریقت اور ائمہ حقیقت کو مختلف اصول کا الہام ہوا۔ امام صاحب کے نزدیک حصولِ معرفت کے دو طریقے ہیں ایک کو وہ جذبہ یا سیر انفسی کے نام سے موسوم فرماتے ہیں۔ دوسرے طریقے کا نام انہوں نے سلوک یا سیر آفاقی رکھا ہے۔ مختلف مکتوبات میں اس کا مفصل حال بھی بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

پیرِ ناقص نے غلط راستے پر لگا کر اور بھی خراب کر دیا ہو کسی پیرِ کامل کے زیرِ تربیت آنا چاہے تو اس کے رو براہ کرنے میں پیرِ کامل کو بہت کچھ زحمت اٹھانی پڑے گی، سب سے مقدم بات جو اُسے کرنی ہوگی یہ ہے۔ کہ جو کچھ خرابی پیرِ ناقص کی غلط تعلیم و تربیت سے پیدا ہوئی ہے اس کے زائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد اس کی استعداد کی تشخیص کے موافق اس کی تربیت میں مشغول ہو۔ حسب دلخواہ برگ و بار پیدا کرنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ زمین ہی کی استعداد کے موافق اور تمام گردوپیش کے حالاتِ آب و ہوا وغیرہ کو مدِ نظر رکھ کر اصول زراعت کے مطابق راست طور پر تخم ریزی کی جائے۔ خود خداوند پاک جل وعلا نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور وضاحت کے ساتھ سورۂ ابراہیم میں بیان فرمایا ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ
تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

(پاک کلمات (اور پاک تعلیم و تربیت) کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی ہے جس کی جڑ تو زمین میں نہایت مضبوط طور پر گڑی ہوئی ہے اور اس درخت کی شاخیں فضائے ہوا میں دور تک چلی گئی ہیں۔ خدا کے حکم اور ارادے سے ہر ایک ایسے وقت میں جو اس کے پھل لانے کا موسم ہے وہ برابر اپنا پھل دیتا ہے خداوند پاک جل وعلا اس طرح لوگوں کو سمجھانے کے لئے تمثیلیں بیان فرمایا کرتا ہے

لیکن خبیث کلمات (اور خبیث و غلط تعلیم و تربیت) کی مثال ایک مضر اور زہریلے درخت کی ہے جو اس قابل ہے کہ اُسے زمین پر سے اکھیڑ دیا جائے (اہل حق کے نزدیک) اس کا کچھ بھی ٹھکانا نہیں فوراً اس کا استیصال کر دینا چاہیئے۔

الغرض پیر کامل کی صحبت میں رہنا اکسیرِ اعظم ہے۔ اس کی ایک نظر امراض باطن کی دوا ہے اور اس کا ایک ایک لفظ درد ہائے اندرونی کے لئے شفا ہے لیکن پیرِ کامل کی رہنمائی کئے بغیر منزل مقصود کو پہنچنا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ خداوندِ پاک جل وعلا ہمیں اور تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ثبات و استقامت نصیب فرمائے۔ تمام کمالات و مراتبِ عالیہ کی بنیاد اور نجات و سعادت کا مدار یہی شریعت غرائے محمدی ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کسی فارسی شاعر نے اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

محمد عربی کابروئے ہر دوسراست کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وصفیہ محمد سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

تتمۂ مکتوب

برادرِ مکرم نے یہ بھی اثنائے کلام میں بیان کیا کہ آپ کے بار یاب شعراء میں ایک نامور شاعر ہیں جنہوں نے اپنا تخلص کفری قرار دیا ہے۔ یہ شاعر سادات کے ایک معزز خاندان کے رکنِ رکین ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے ایسا قبیح اور مذموم لقب اپنے لئے کیوں اختیار کیا ہے جس کی قباحت اظہر من الشمس ہے۔ ہر ایک مسلمان کو مناسب ہے کہ ایسا مذموم لقب اختیار کرنے سے

کوسوں دور رہے۔ ایک مسلمان کو یہ خطاب ناصواب شیر گردن شکن کے حملے سے زیادہ مہیب نظر آنا چاہیئے اور سچا مسلمان ہونے کی یہی علامت ہے کہ وہ اس مکروہ لفظ کو سخت ناگوار اور قابلِ نفرت خیال کرے۔ یہ لفظ اور اس کا مفہوم دونوں خدائے برتر اور اس کے رسولِ برحق کے نزدیک نہایت ہی مبغوض ہیں۔ مسلمانوں کو عام طور پر حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ کفر کو دشمن سمجھیں اور ان کے ساتھ درشتی کا برتاؤ کریں، چہ جائیکہ خود اپنے تئیں صریح لفظوں میں کفر سے منسوب کریں، اس لئے نہایت ضروری ہے اور مؤکد فرض ہے کہ ایسے قبیح اور مذموم لقب سے اجتناب کیا جائے۔

ایک ظاہر بین اعتراض کر سکتا ہے کہ بعض مشائخِ عظام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے بھی بعض وقتوں میں کفر کی مدح سرائی فرمائی ہے اور کفر کے خاص شعار زنار بندی کے لئے ترغیب و تحریص کی ہے لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس قسم کے کلمات ان حضرات سے غلبۂ سکر کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں اور اس لئے ان کو ظاہری معنوں پر محمول نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تاویل کر کے صحیح مطابق عقل و شرع معنی لینے چاہئیں۔ اہلِ سکر کا کلام ہمیشہ اسی طرح مصروف عن الظاہر (جو ظاہری معنوں پر محمول نہ ہو) ہُوا کرتا ہے اور وہ حضرات (ارباب سکر) غلبۂ سکر کی وجہ سے اس قسم کے کلمات زبان پر لانے میں معذور تصور کئے جاتے ہیں۔ بایں ہمہ اکابرِ طریقت نے تصریح فرمادی ہے کہ علمِ حقیقت کے اصطلاحی کفر و اسلام کا بھی اگر موازنہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ اسلام حقیقت کو کفر حقیقت پر ترجیح حاصل ہے اور مؤخر الذکر ایک ناقص اور مذموم وصف ہے۔ گو وہ خود غلبۂ حال کے باعث معذور اور ناقابلِ ملام و عتاب ہیں مگر جو لوگ اس حال اور مقام سے معرّا ہو کر بھی ان کی کورانہ تقلید کرتے ہیں وہ اہل

شرع اور اربابِ طریقت دونوں کے نزدیک معذور نہیں ہیں (ازیں سو راندہ وازیں سو درماندہ) ہر ایک چیز کے لئے ایک خاص وقت اور موقعہ ہوتا ہے اور اس وقتِ خاص یا موقعہ مخصوصہ سے اگر الگ کر لے اس کو دیکھا جائے تو اس کی قباحت محتاج بیان نہیں (بچہ اگر تتلا کر بولے تو اس کا یہ بولنا کیسا پیارا اور دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بڑا آدمی اس کی تقلید کرے تو کس قدر برا معلوم ہوتا ہے۔ ایک قسم کو دوسری پر محمول کرنا قانونِ قیاس سے بعید ہے اور کوئی عقلمند ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔

میری طرف سے ان سیّد صاحب سے التماس کیجئے کہ وہ اس قبیح تخلص کو بدل ڈالیں اور اس کی بجائے کوئی اچھا لقب اپنے لئے اختیار کریں بلکہ میری رائے میں وہ اپنا تخلص "اسلامی" کریں تو نہایت زیبا ہے۔ یہ تخلص ایک مسلمان شخص کے حال اور قال کے بالکل موافق ہے۔ اس میں مذہب مقدس اسلام کی طرف انتساب پایا جاتا ہے جو خداوند پاک جل وعلا اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ ترین طریقہ ہے۔ تہمت خواہ کتنی ہی بے محل کیوں نہ ہو ــــ حتی الامکان اس سے احتراز کرنا ضروری ہے اور شرعاً ہم مامور ہیں کہ اس سے اجتناب کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ (تہمت کی جگہ سے پرہیز کرتے رہیں) کلام پاک میں ہے قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ۔ ایماندار غلام مشرک آقا سے بہت بہتر ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

چوتھا مکتوب (۴۶)

محمّد قلیج خاں کے نام لکھا گیا

صوفی کائن بھی ہے اور بائن بھی - ایک سے زیادہ محبوبوں سے دلبستگی نہیں ہوسکتی محبت ذاتیہ کے رونما ہونے پر محبوب کا انعام و ایلام یکساں معلوم ہوتا ہے مقربین اور ابرار کی عبادت کا فرق - اولیاء مستہلکین اور مرجوعین کا فرق

خداوند پاک جل وعلا بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سلامتی اور عافیت سے رکھے - صحیحین (بخاری اور مسلم) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (جس کے ساتھ محبت ہوگی اسی کی معیّت اور مرافقت نصیب ہوگی)، اس لئے سب سے زیادہ قابلِ تعریف وہی شخص ہے جس کے دل میں محبت الٰہی جل وعلا کے سوا اور کسی چیز کی محبت کی سمائی نہ ہو اپنے مولائے پاک تعالیٰ وتقدس ہی کی خوشنودی اس کا مطمحِ نظر اور نصب العین ہو - ایسا شخص ہر وقت معیتِ الٰہی جل وعلا کی سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ اندوز رہتا ہے اگرچہ وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ رہ کر صوری طور پر معاملاتِ خلق میں بھی کیوں نہ مشغول ہو - یہ اس مرد باخدا کی حالت ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ الصوفی کائن بائن (صوفی کا صفا کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ساتھ بھی ہے اور جدا بھی)، اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ خداوند پاک جل وعلا کے تو ساتھ ہے لیکن لوگوں سے جدا ہے یا یہ کہ اس کا ظاہر لوگوں کے ساتھ ہے اور حقیقت میں وہ ان سے جدا ہے - یہ ایک صاف بات ہے کہ دل کا

Marfat.com

قبلۂ محبت ایک ہی ہو سکتا ہے" اگر اس کا قبلۂ محبت درحقیقت خالق عالم جل و علا ہے تو ممکن نہیں کہ مخلوق اس کے دل میں گھر کر سکے بعض اوقات قاعدہ مذکورہ بالا پر اعتراض کیا جاتا ہے اور ایک شخص کو متعدد اور مختلف چیزوں سے محبت ہوتی ہے مثلاً وہ مال کو بھی چاہتا ہے۔ اولاد سے بھی اس کو محبت ہے۔ بیوی سے بھی دلبستگی ہے۔ جاہ و منصب کا بھی خواہاں ہے۔ مدح اور رفعت کا بھی دل سے متمنی ہے۔ اس قسم کی مثالیں دیکھ کر یہ قاعدہ نہایت مشکوک ہو جاتا ہے کہ "دل کا قبلۂ محبت ایک ہی ہو سکتا ہے" لیکن یہ اعتراض درست نہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اس کا قبلۂ محبت ایک ہی ہے یعنی اپنا نفس اور اپنی ذات اس کا محبوب ہے اور ان سب مختلف چیزوں کو وہ اپنی ذات کے لئے چاہتا ہے۔ یہ سب چیزیں محبوب بالعرض (مقصود بالواسطہ) ہیں اور درحقیقت اس کا قبلۂ محبت صرف ایک ہی ہے جو اس کا اپنا نفس ہے۔ اگر بالفرض ان چیزوں کا تعلق اس کے نفس سے قطع ہو جائے یا سرے سے اس کو اپنے نفس کے ساتھ محبت ہی نہ رہے تو یہ رشتۂ الفت خود بخود منقطع ہو جائے گا۔ اسی نکتے کو ملحوظ رکھ کر اور اسی اصول کی بنا پر عارفانِ راہ شناس نے یہ بھی فرمایا کہ "خدا اور بندے کے درمیان جو حجاب[1] حائل ہے وہ بندے کا اپنا نفس ہے۔ عالم کو کیا مجال کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان حائل ہو سکے" یہ اس لئے فرمایا کہ دنیا و مافیہا کسی حالت میں بھی محبوب بالذات نہیں اور جو چیز محبوب بالذات نہ ہو وہ کس طرح چہرۂ مقصود کا حجاب ہو سکتی ہے۔ چونکہ بندے کا مقصود بالذات اور محبوب حقیقی اس کا اپنا ہی نفس ہے اس لئے اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہی ایک

[1] ہر ایک چیز جو حصولِ مقصود کے لئے مانع اور سنگِ راہ ہو اس کو مجازاً حجاب ہی کہتے ہیں۔

Marfat.com

بڑا حجاب ہے لہذا جب تک انسان اپنے نفس کی محبت اور گرفتاری سے بالکل آزاد نہ ہو خداوند پاک جل وعلا کی محبت اس کے دل میں (جو غیر اللہ کی محبت سے ملوث ہے) نہیں سما سکتی۔

یہ سعادتِ عظمےٰ (یعنی محبت الٰہی جل وعلا بطریقہ محبت ذاتی) تب ہی متحقق ہو سکتی ہے جبکہ پہلے فنائے کامل حاصل ہو جس کا حصول تجلئ ذاتی کے رونما ہونے پر موقوف ہے۔ اس کی وجہ بالکل صاف ہے جبتک آفتابِ عالم افروز جلوہ گر نہ ہو تاریکی کا بالکل معدوم ہو جانا متصور ہی نہیں۔ جس وقت یہ محبتِ ذاتیہ ظہور میں آتی ہے محبوبِ حقیقی کا انعام وابلام (نعمت اور تکلیف) یکساں معلوم ہوتا ہے اور ہر ایک حالت میں وہ شرابِ محبت کے نشہ میں سرشار رہتا ہے (تکلیف کو بھی محبوب کا تحفہ سمجھتا ہے اور اس لئے اس کو مطلق رنج نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ارادوں سے بالکل علیحدہ ہو کر محبوبِ حقیقی کے ارادے کو ہر ایک چیز پر ترجیح دیتا ہے) اسی مقام پہ پہنچ کر کامل اخلاص کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی عبادت خالصًا للّٰہ ہوتی ہے جس میں مرادِ نفس کی کچھ بھی آمیزش نہیں پائی جاتی اور جلب منفعت یا دفع مضرت کا خیال کچھ بھی مدِّنظر نہیں رہتا۔ کیونکہ محبت ذاتیہ کی وجہ سے وہ اپنے محبوب کی تنعیم و تعذیب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس رتبے پہ فائز ہو کر انسان مقربین کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ ان سے کمتر درجہ ابرار کا ہے جن کی عبادت خوفِ عذاب اور توقعِ ثواب پہ مبنی ہوتی ہے۔ ان کی عبادت کا مآل اپنے نفس کی اغراض کا پورا کرنا ہوتا ہے (فجار اور ابرار میں فرق صرف اتنا ہے کہ گروہ اول الذکر کی نظر دنیاوی حظوظ تک محدود ہے لیکن ابرار ان کی بہ نسبت

Marfat.com

کسی قدر عالی نظر ہیں اور وہ اپنے لئے آخرت کی نعمتوں کے خواہاں وجویاں ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محبتِ ذاتیہ کی چاشنی سے لذت آشنا نہیں ہوئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ابرار کی حسنات[1] (نیکیاں) مقربین کے حق میں سیآت (برائیاں) ہوں۔ ابرار کی نیکیاں ایک حیثیت سے تو حسنات ہیں لیکن دوسری حیثیت سے سیآت میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔ برخلاف اس کے مقربین کی نیکیاں خالص حسنات ہیں اور ان میں کسی طرح بھی برائی کا پہلو نہیں نکلتا۔ بے شک بعض مقربین جب وہ فنائے تام کے بعد بقائے کامل کی سعادت سے مشرف ہوتے اور عالم اسباب کی طرف رجوع کرکے دعوتِ حق میں مشغول ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں ان

[1] یہاں ایک زبردست اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک عمل ایک شخص کے لئے تو موجب ثواب ہو لیکن وہی عمل دوسرے شخص کے لئے عتاب اور عذاب کا باعث ٹھہرے! ہم اس موقع پر ناظرینِ کتاب ہذا کی توجہ ایک ایسے واقعے کی طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں جو مجمل طور پر قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔ حضرت یونس ؑ نے جب دیکھا کہ قوم پیغام الہٰی کی اطاعت کرنے سے گریز کرتی ہے اور شرک کفر کو چھوڑنے پر مائل نہیں تو انہوں نے محض دین و ایمان کے نقطۂ نگاہ سے ان دشمنانِ خدا میں رہنا پسند نہ کیا اور وہاں سے چلے گئے۔ اس پر ان کو جو کچھ بارگاہِ الہٰی سے عتاب ہوا اور جس طرح ان کو چالیس دن یا کم و بیش زمانہ تک مچھلی کے پیٹ میں تادیبًا رکھا گیا اس سے بہت کم مسلمان ناواقف ہوں گے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اگرچہ دشمنان خدا کے ساتھ بُغض رکھنا اور حتی الامکان ان سے دور رہنا عام اہلِ ایمان کے لئے نہایت ثواب کا کام ہے جس کو زبانِ شرع میں بُغض فی اللہ کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو افضل الاعمال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، لیکن ایک پیغمبر جس کو ہر ایک واقعے میں وحی کے ذریعہ حکم ناطق حاصل ہو سکتا ہے، کے پہلو سے سبب۔ کے نشایاں شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک

کی عبادت بھی بیم و رجا پر مبنی ہوتی ہے لیکن یہ خوف و رجا اپنے لئے حصولِ ثواب یا دفعِ عذاب کا باعث نہیں بلکہ اس کا مآل بھی محبوبِ حقیقی جل وعلا کی خوشنودی یا عدمِ خوشنودی ہوا کرتی ہے جنت کی طلب ہے تو صرف اس لئے کہ وہ رضائے الٰہی جل وعلا کا مظہر ہے نہ اس لئے کہ وہ حظوظِ نفسانی سے متمتع ہونے کا ایک نادر موقع ہے اور اگر دوزخ سے ڈر کر اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو بھی اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ قہر و غضبِ الٰہی تعالیٰ و تقدس کے ظہور کا مقام ہے ۔ یہ مدّنظر نہیں کہ اپنے تیئں عذاب کی تکلیف سے بچائیں ۔ یہ بزرگوار جن کو مقربین کہتے ہیں حظوظِ نفس کے طوقِ غلامی سے رہائی پا چکے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن خالص اپنے مولائے پاک جلّ وعلا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف ہے۔ (اسی وجہ سے ان کو کلام پاک میں مختلف موقعوں پر عباد اللہ المخلصین سے تعبیر فرمایا گیا ہے) یہ رتبہ جس میں فنائے تام کے بعد بقائے دوام حاصل ہوتی ہے ۔ مراتب

(بقیہ صفحہ ۵۵ سے آگے) حالت میں اشارۂ الٰہی جل وعلا کا منتظر رہے ۔ چونکہ حضرت یونس ع نے صریح حکم ملنے کا انتظار نہ کیا اس لئے ان کو سخت عتاب کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ ولا تکن کصاحب الحوت ذو مچھلی والے پیغمبر کی طرح جلد بازی نہ کر یقیناً اب آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ کس طرح افضل الاعمال مقربانِ خدا کے حق میں سیآت میں شمار کئے جاتے ہیں ۔ اس کی بیسیوں مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں ۔ لیکن طوالت کا خیال مانع ہے ۔ بہر حال یہ ایک نہایت سچا قول ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار لوگوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں سیآت ہیں) جس پر اعتراض کی ہرگز گنجائش نہیں ۔

Marfat.com

مقربین میں بھی ایک اعلیٰ ترین مقام ہے اس مرتبۂ عالیہ پر جو سعادت مند فائز ہو اس کو علاوہ اس کے کہ ولایتِ خاصہ کے شرف سے بہرہ ور ہو اس کو کمالاتِ نبوت سے بھی حظِّ وافر حاصل ہوتا ہے لیکن جس عارف کو یہ مرتبہ رجوع الی الخلق کا نصیب نہ ہو اور اس کو عالمِ اسباب میں واپس نہ لایا جائے وہ ان اولیائے کرام کے زمرے میں محسوب ہوتا ہے جن کو اولیائے مستہلکین کہتے ہیں (وہ اولیاء جن کو فنا کا مقام حاصل ہو لیکن بقا سے مشرف نہ ہوئے ہوں) یہ فریق کمالاتِ نبوت سے بے بہرہ رہتا ہے اور اس لئے وہ فریقِ اول کی طرح اس قابل نہیں ہوتا کہ تکمیل وارشاد کا جلیل القدر منصب ان کو تفویض ہو۔ بالآخر بارگاہِ الٰہی تعالےٰ وتقدس سے دعا ہے کہ ہمیں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں انہی بزرگواروں کے ساتھ محبت رکھنا نصیب کرے کیونکہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (جس کے ساتھ محبت ہو گی اس کی معیت اور موافقت نصیب ہو گی)۔ والسلام اولاً وآخراً۔

Marfat.com

پانچواں مکتوب (۲۵)

خواجہ جہاں کے نام لکھا گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی متابعت کی ترغیب و تحریص

خداوند پاک جل وعلا آپ کو قلبِ سلیم عنایت کرے انشراحِ صدر مرحمت فرمائے۔ تزکیۂ نفس کی توفیق بخشے اور نرم دلی کے محمود وصف سے آراستہ فرمائے۔ ان سب مطالب کا حصول بلکہ روح سر خفی اور اخفیٰ کے تمام کمالات کا معرضِ ظہور میں آنا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی اور اتباع پر موقوف و منحصر ہے اس لئے ضرور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے طریقۂ راشدہ کا اتباع کریں۔ فلک ہدایت کے نجومِ زواہر (ستارہ ہائے روشن) انہی کو کہنا بجا ہے اور عالمِ ولایت کے شموس بواہر (آفتاب عالمتاب) سے انہی کو مخاطب کرنا زیبا ہے جس کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دی گئی اس نے غایت درجہ

لہ امام صاحب رح کے نزدیک انسان میں پانچ جواہر غیبیہ ودیعت رکھے گئے ہیں جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں قلب روح سر خفی اخفیٰ انہی کو لطائفِ انسانی اور لطائفِ خمسہ کہتے ہیں۔ یہ پانچوں جواہر عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں انہی جواہر کی تہذیب اور تزکیہ تصوف کا لب لباب ہے۔ امام صاحب نے بعض دوسرے مکتوبوں میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان کا بیان فرمایا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے جس کا نام انہوں نے "الطاف القدس" رکھا ہے۔

Marfat.com

کی کامیابی حاصل کی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ چاہِ ضلالت کے عمیق گڑھے میں جا گرا۔ حرفِ مطلب یہ ہے کہ شیخ سلطان مرحوم کے دونوں فرزند نہایت فاقہ و فقر کی حالت میں ہیں۔ آپ کو خداوند پاک جلّ و علا نے اس قابل بنایا ہے کہ اہلِ احتیاج کی دستگیری فرمائیں۔ التماس یہ ہے کہ مذکورین کی اعانت سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔ خدا تعالیٰ و تقدس آپ کو توفیق خیر عنایت فرمائے۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ ـــ

Marfat.com

چھٹا مکتوب (۲۶)

شیخ حاجی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا

(شوق ابرار سے مخصوص ہے۔ مقربین میں یہ وصف نہیں ہوتا ۔ وغیرہ وغیرہ)

خداوند پاک جل و علا ہمیں اور تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ حدیث قدسی ہے کہ

اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْھِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا

"نیکو کار ابرار کا شوق مجھ سے دوچار ہونے کے لئے بڑھا ہوا ہے لیکن مجھ کو ان سے ملنے کا اور بھی زیادہ شوق ہے"

اس حدیث قدسی میں خداوند پاک جل و علا نے ابرار کے لئے شوق کا مفہوم ثابت فرمایا ہے۔ کیونکہ مقربین میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ شوق صرف اس صورت میں دامنگیر ہو سکتا ہے جبکہ مقصودِ دل حاصل نہ ہو لیکن مقربین اپنے محبوبِ حقیقی سے وصل حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کے شوق کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے حق میں اظہارِ شوق نہیں کرتا۔ حالانکہ سب سے زیادہ محبوب اپنی ذات ہے۔ وجہ یہ کہ شوق پیدا ہوتا ہے محبوب کی مباعدت سے (جب محبوبِ دل کو نہ پانے کی وجہ سے اس کے ملنے کے لئے جی للچاتا ہے تو اس حالت کو شوق کہتے ہیں) اور اپنی ذات سے اس کو کسی حالت میں مباعدت یا ہجران نہیں۔ وہ عارفِ مقرب جو اپنے نفس سے فانی ہو کر بقا باللہ کے درجے سے مشرف

Marfat.com

ہوتا ہے اس کی مثال بعینہٖ یہی ہوتی ہے اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کو محبوبِ حقیقی کا شوق ہے۔ ابرار کو چونکہ ابھی وصلِ محبوب کی سعادت میسر نہیں ہوئی لہذا وہ بے تابی کے ساتھ اس مقام کے حصول کے لئے سخت منتظر اور چشم براہ ہیں۔ اسی حالت کا نام شوق ہے اور یہ ان کا وصفِ مخصوص ہے جس عارف کو ابھی حقیقتِ وصل حاصل نہیں ہوئی خواہ وہ سلوک کے ابتدائی منازل طے کر رہا ہو یا درمیانی مراحل کے عبور کرنے میں مشغول ہو بہر کیف جب تک حصولِ وصل میں کچھ بھی رکاوٹ حائل ہے وہ دائرۂ ابرار سے خارج ہو کر زمرۂ مقربین میں شامل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی آتشِ اشتیاق میں کسی طرح کا فرق نمودار ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

کسی فارسی شاعر نے اس مضمون کو کس خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک ہست۔ اندک نیست
درونِ دیدہ اگر نیم مو است بسیار ست

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہے آیات قرآنیہ کے پڑھنے کا اس کے بے چین دل پر بجلی کا سا اثر ہوتا ہے۔ اور بے اختیار اس کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ نے اس حالت کو دیکھ کر ھٰکذا کُنَّا نَفْعَلُ وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُنَا (ہماری بھی کسی زمانہ میں یہی حالت تھی لیکن اب تو ہم سنگدل ہو گئے) صدیق اکبرؓ نے اس قول المدح بما یشبہ[1] الذم کا محاورہ استعمال فرمایا ہے۔ میں نے اپنے

---

[1] المدح بما یشبہ الذم "یعنی کسی چیز کی تعریف مدح ایسے الفاظ میں بیان کرنا جس سے بظاہر ہجو اور مذمت کا پہلو نکلتا ہو۔ یہ بھی ایک صنعت ہے جس سے کلام میں خوبی پیدا کرنا

Marfat.com

پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کو ایک مرتبہ یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ بعض اوقات ... راہ سلوک کا منتہی جس کو مقام وصل میسر ہوتا ہے یہ آرزو کرتا ہے کہ اس کو وہی گرمیٔ طلب اور اشتیاق حاصل ہو جس کی بھڑک ابتدائے سلوک میں اس کے اندر شعلہ زن رہتی تھی۔

وصفِ شوق کے مفقود ہو جانے کے لئے ایک اور مقام بھی ہے جو اس بیان کردہ مقام سے اکمل و ارفع واقع ہوا ہے۔ وہ یاس (مایوسی) اور عجز عن الادراک (دریافت حقیقت سے عاجز ہونا) کا مقام ہے اس مقام میں بھی شوق کا وجود ناممکن ہے کیونکہ شوق جب ہی متصور ہوتا ہے کہ حصولِ مقصود کی توقع ہو لیکن جب توقع ہی باقی نہیں رہی تو شوق کیسا! اس قسم کا عارف کامل جب تکمیل و ارشاد کے لئے عالم کی طرف رجوع بھی کرتا ہے تو گو اس رجوع کی حالت میں وہ محبوبِ حقیقی سے مہجور ہوتا ہے لیکن اس ہجران کی حالت میں بھی اس میں صفتِ شوق ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا شوق اس وجہ سے زائل نہیں ہوا تھا کہ وہ بلائے ہجراں میں مبتلا تھا بلکہ زوالِ شوق کی علتِ اصلی حصولِ یاس تھی جو اب بھی موجود ہے لیکن پہلے قسم کا باکمال عارف جس کے زوالِ شوق کا باعث حصول وصلِ محبوب ہے جب عالم کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور اس کو لطیف و رنگین بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس کی ایک مشہور مثال جو عموماً علم بدیع میں بیان کی جاتی ہے یہ شعر ہے ؎

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم   بهن فلول من قراع الکتائب

شاعر اپنی قوم کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے "اور ان میں سوائے اس کے اور کوئی بھی

Marfat.com

سینہ دوبارہ گرمیٔ شوق سے بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ وصل محبوب جس کے باعث شوق زائل ہو گیا تھا مفقود ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پھر آتشِ شوق شعلہ زن ہو۔ یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ وصول کے مراتب بلیشمار ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں کہ شوق کا سلسلہ منقطع ہو۔ وصل کا ایک مقام حاصل کر کے دوسرے مقام کے حصول کے لئے جو اس سے بالاتر ہے ضرور شوق پیدا ہوگا وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس کا جواب حسب ذیل ہے :-

مراتبِ وصول کا بے شمار اور غیر منقطع ہونا اسی صورت میں متصوّر ہے جبکہ سالک کی سیر اسماء صفات اور شیون و اعتبارات میں سیر تفصیلی ہو۔ ایسی حالت میں بلاشبہ اس کی سیر کے لئے کوئی غایت مقرر نہیں۔ اس کا سفر (معنوی) غیر منقطع ہے اور اس لئے اس کا شوق بھی ممکن نہیں کہ زائل ہو لیکن ہمارا موضوع بحث وہ خدا رسیدہ عارف کامل ہے جس نے ان تمام مراتب کو اجمالی طور پر طے کر لیا ہو۔ اس کا عروج نہایت الغایات تک پہنچ چکا ہو اور وہ ایک ایسے شنگرف مقام پر فائز ہوا ہو جس کی تعبیر لفظوں یا اشاروں سے نہیں ہو سکتی۔ وہاں توقع کا مفہوم کسی طرح بھی صادق نہیں آتا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شوق اور طلب (جو توقع کی فروع ہیں) کا وجود بھی متصوّر

(بقیہ صفحہ ٦٢) عیب نہیں کہ شیر صولت بہادروں کے ساتھ نوک جھونک کرنے کے باعث ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں" ظاہر ہے کہ اس شعر میں اپنی قوم کی شجاعت کی بہت تعریف کی ہے لیکن اس کا طرز ادا مذمت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اسیطرح حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا بھی بظاہر تو مذمت ہے لیکن امام صاحب اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ سنگدلی سے مراد حصول وصل کی وجہ سے غیر متاثر ہونا ہے عدم تاثر کو سنگدلی سے تعبیر فرمایا اور اسلئے ان کے کلام میں المدح بما یشبہ الذم کی صنعت پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

نہیں۔ یہ حال اُنہی بزرگواروں کو نصیب ہوتا ہے۔ جو زمرۂ اولیائے کرام میں بھی مزید خصوصیت سے ممتاز ہیں۔ تنگنائے صفات سے اور آگے بڑھکر حضرت علیائے ذات تک واصل ہونا انہی بزرگوں کا حصّہ ہے۔ برخلاف اس کے جو سالک صفات اور شیونات کی سیر تفصیلی میں گرفتار ہیں وہ ہمیشہ کے لئے تجلیات صفاتیہ کے نظارہ میں مشغول رہتے ہیں اور یہی ان کا منتہائے وصول ہے۔ حضرت والائے ذات تک عروج حاصل کرنا بجز اس کے متصوّر نہیں کہ صفات اور اعتبارات کو سیر اجمالی کے طور پر طے کرے لیکن جس سالک کو اسماء و صفات کی دشوار گذار گھاٹیاں سیر تفصیلی سے قطع کرنی پڑیں اس کے لئے تنگنائے صفات و اعتبارات سے گذرنا ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا شوق کبھی زائل نہیں ہوتا۔ وجد[1] اور تواجد کا وصف بھی برابر موجود رہتا ہے۔ شوق اور تواجد کا موجود ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ سالکِ راہ ابھی تجلیاتِ صفاتیہ سے محظوظ ہوا ہے۔ تجلّیٔ ذاتی سے مشرف نہیں ہوا۔ تجلّیٔ ذاتی سے بہرہ اندوز ہونے پر یہ ضروری ہے کہ شوق اور وجد کی صفت زائل ہو۔ ایک دوسرا پیدا ہوتا ہے کہ وجود شوق کے لئے محبوب اور مراد کا نہ ملنا ضروری شرط ہے۔ باوجود محبوب و مراد کے میسر ہونے کے شوق متصوّر نہیں اور چونکہ خداوندِ پاک جل وعلا کے حق میں کسی محبوب یا مراد کا نہ ملنا متصوّر نہیں اس لئے

---

[1] قلب سالک میں حصول مطلب کے لئے ایک غیر معمولی حرارت کا پیدا ہونا۔ زیادہ تشریح مطلوب ہو تو احیاء العلوم کی کتاب السماع ملاحظہ فرمائیں ؛

Marfat.com

یہ توہم بھی بیجا ہے کہ اس کو کسی محبوب یا مراد کے متعلق شوق پیدا ہو حالانکہ حدیث قدسی مندرجہ عنوان میں خداوند پاک جل و علا کو صریحًا شوق سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شوق کا ذکر صنعت مشاکلہ[1] کے طور پر واقع ہوا ہے۔ اللہ کا لفظ بڑھانے کی توجیہہ یہ ہے کہ ہر ایک وصف کو جو خالق جبار تعالیٰ شانہٗ و جل سلطانہٗ کی طرف منسوب ہو کسی ایسے لفظ کے ساتھ موصوف کرنا ضروری ہے جس سے ذات باری جل و علا کی عظمت و جلال مترشح ہو کیونکہ

---

[1] یہ علم بدیع کی ایک اصطلاح ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ کسی مفہوم کو ایک ایسے لفظ سے تعبیر کیا جائے جو درحقیقت اس مفہوم کیلئے موضوع نہیں بلکہ اس کو ایک دوسرے لفظ کے ساتھ مطابق کرنا مطلوب ہو جو اس کے مقابل واقع ہوا ہے۔ اس کی توضیح ایک مثال سے بخوبی ہو سکتی ہے قرآن کریم میں ہے وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا (برائی کا بدلہ برائی ہے) یعنی جو شخص کسی دوسرے شخص پہ ظلم اور دست درازی کرے تو مظلوم کو حق حاصل ہے کہ جائز طور پر اس کا انتقام لے۔ اس آیت کریمہ میں پہلا لفظ سیئۃ (برائی) تو اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے لیکن دوسری جگہ سیئہ کے حقیقی معنے مراد نہیں ہو سکتے بلکہ اس برائی کا بدلہ یعنی جائز طور پر اپنا حق لینا مراد ہے جس کو کسی طرح حقیقتاً برائی نہیں کہہ سکتے لیکن پہلے لفظ کی مناسبت سے اس مفہوم کو بھی اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اس کو صنعت مشاکلہ کہتے ہیں۔ امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث قدسی میں بھی بندہ کی طرف تو شوق کی نسبت کرنا اپنے حقیقی معنوں کے لحاظ سے ہے لیکن خداوند پاک جل و علا کو شوق سے منسوب کرنا صرف مشاکلت اور مناسبت لفظ اول پر مبنی ہے۔ اصلی معنے یہ ہیں کہ بندگان ابرار کا شوق جتنا بھی ہے میری نظرِ عنایت ان کے حال پر اس سے بھی بڑھ کر ہے لیکن شوق کے لفظ کے مقابلے میں شوق ہی کا لفظ لانا اَنسب ہے۔

Marfat.com

اس کا ہر ایک وصف مخلوق کے اوصاف سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے۔ یہ جواب علمائے ظاہر کے مذاق کے موافق بیان کیا گیا ہے، نیاز مند کی رائے میں مشرب صوفیائے کرام کے اصول کے بموجب دوسرے متعدد جوابات بیان کئے جا سکتے ہیں لیکن ان جوابات کا صحو کی حالت میں ذکر کرنا غیر مستحسن معلوم ہوتا ہے، البتہ سُکر کی حالت میں ان کو زبان پہ لانا چنداں مضائقہ نہیں کیونکہ سکر کی حالت میں جو کچھ بھی کہہ دیا جائے وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتا اور اس کا کہنے والا معذور سمجھا جاتا ہے لیکن اربابِ صحو کا معاملہ کچھ اور ہے اور وہ اپنے اقوال کے ہر ایک طرح سے جواب دہ ہیں چونکہ اب خالص صحو کی حالت میں ہوں اس لئے ارباب سُکر کے مذاق پر کلام کرنا میرے شایان حال نہیں۔

وَالحمدُ لِلّٰهِ تعالیٰ اوّلاً وَّاٰخراً وَالصّلوٰۃُ وَالسّلامُ علیٰ نَبِیّہٖ دائماً وسرمداً ۞

Marfat.com

ساتواں مکتوب (۲۷)

(خواجہ عمک کے نام لکھا گیا)

"طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی مدح سرائی۔ اس طریقہ کے علو نسبت کا بیان"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ **عنایت نامہ والا** جو آپ نے از راہ اخلاص و کرم میرے نام ارسال فرمایا تھا وصول پایا۔ نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی فضول بات سنا کر آپ کی سمع خراشی کروں بجز اس کے کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے فضائل آپ کو سناؤں۔

جناب من! اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا قول ہے کہ: "ہماری نسبت سب نسبتوں پر تفوق رکھتی ہے" "نسبت سے مراد" حضور" اور "آگاہی" کا حاصل ہونا ہے لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک وہی حضور معتبر ہے جس میں غیبت واقع نہ ہو۔ اس حالت کو وہ اپنی اصطلاح میں یادداشت کہتے ہیں۔ گویا نسبت اور یادداشت دو مترادف الفاظ ہیں۔ یادداشت کا وہ مفہوم جو میں نے سمجھا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:۔ تجلیٔ ذات کا یہ مطلب ہے کہ حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کا حضور ایسے طور پر حاصل ہو جس میں اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کچھ بھی ملحوظ نہ ہوں اس تجلی کو اکثر اہل عرفان تجلیٔ برقی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی تجلی جس کے ساتھ شیون اور اعتبارات کے ملاحظہ کی کچھ آمیزش نہ پائی جائے ایک لمحہ بھر کے لئے بمشکل میسر ہوتی ہے۔ اس کے بعد ذات مقدس بدستور پردۂ شیون و اعتبارات میں

Marfat.com

محجوب رہتی ہے۔ اس لئے ایسے حضور کا متحقق ہونا جس کو حضور بے غیبت کہتے ہیں ایک لمحے سے زیادہ عرصے کے لئے متصوّر نہیں۔ عارف کے اکثر اوقات غیبت کی حالت میں بسر ہوتے ہیں۔

اگرچہ دوسرے مختلف طریقوں کے مشائخ اس تجلّیٔ برقی کو سلوک وعرفان کے مراتب کا غایۃ الغایات تصور کرتے ہیں لیکن اکابر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اس نسبت (تجلی ذاتی برقی) کے حصول کو چنداں وقعت نہیں دیتے۔ ان کا مطمحِ نظر وہی حضور ہے جو دوامی ہو جس میں کبھی غیبت رونما نہ ہو۔ جب ذاتِ مقدس پردۂ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات سے بے نقاب ہو کر جلوہ گر ہو اور یہ حالت ہمیشہ کے لئے قائم رہے تو اس کو "حضور بے غیبت" کہیں گے اور یہی حالت ان حضرات کا منتہائے طلب ہے۔ اب اس نسبت کا دوسرے طریقوں کی نسبت سے موازنہ کریں تو درمیان کا فرق خود بخود واضح ہو جائے۔ اس قسم کا حضور بے غیبت حاصل ہونا دوسرے اہل طرق کو بعید از وقوع معلوم ہوتا ہے لیکن انہوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ؎

حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف

یہ نسبت فی زمانا اس قدر عزیز الوجود ہو گئی ہے کہ اگر اسی طریقہ نقشبندیہ کے با خبر اصحاب سے بھی اس کا ذکر کیا جائے تو غالباً اکثر ارباب طریقت اس کے وجود ہی سے انکار کر دیں گے اور ایسی حالت کا رونما ہونا باور نہ فرمائیں گے۔ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ میں جو نسبت "آج کل مشہور ہے (جس کو انہوں نے منتہائے کمال قرار دیا ہے) اس کا مفہوم انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا حضور وشہود ایسے طور پر حاصل ہونا جو شاہد اور مشہود ہونے کے وصف سے مبرا ہو اور ایک ایسی

Marfat.com

توجہ کا بظاہر دوام پذیر ہونا جس کا تعلق مشہور و معروف جہات ستہ سے نہ ہو گو جہت فوقانی کا توہّم زائل نہ ہوا ہو۔ اسی حالت کو عام طور "پرنسبت" خیال کرتے ہیں۔ یہ نسبت فقط جذبہ کے مقام میں بھی حاصل ہو سکتی ہے اور دوسری نسبتوں پر اس کے تفوق رکھنے کی ظاہرًا۔۔۔۔ کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اگر نسبت اور یادداشت کے وہی معنے لئے جائیں جو ہم نے بیان کئے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا حصول جذبہ اور سلوک کے تمام مقامات کو طے کر لینے پر منحصر ہے اور جس کا علو اور تفوق بھی اظہر من الشمس ہے۔ اگر کچھ شک بھی ہے تو اس جلیل القدر حال کے حصول میں ہے مگر اس کے علوِ شان میں کلام نہیں۔ اگر کوئی حاسد اپنے حسد کی وجہ سے انکار کرے یا ایک ناقص اپنے قصورِ استعداد کے باعث محروم رہ کر اعتراف نہ کرے تو اس کو معذور سمجھنا چاہیئے ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور حاش للہ کہ برآرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

والسلام اولاً و آخرًا

سلہ اگر کوئی کوتاہ فہم اس عالی ہمت گروہ کو قاصر بتلائے تو بتائے لیکن میں تو معاذ اللہ زبان پہ بھی یہ حرف نہ لاؤں۔ تمام جہاں شیر صفت عارفان باکمال اسی سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ لومڑی بیچاری اپنی مکر و حیلہ بازی سے اس مضبوط و مستحکم سلسلہ کو کیسے توڑ سکتی ہے ؟

Marfat.com

آٹھواں مکتوب (۲۸)

خواجہ عمک کے نام لکھا گیا

(اپنے علوِ حال کا بیان ایک مبہم پیرایہ میں کیا گیا ہے)

آپ کا عنایت نامہ والا پہنچا۔ نہایت خوشی حاصل ہوئی یہ کتنی بڑی بات ہے کہ مردانِ آزاد گرفتاروں کو فراموش نہ کریں یہ ایک عظیم سعادت ہے کہ واصلانِ راہِ ہجرت زدگاں کی غمخواری فرمائیں۔ مہجور بیچارے نے اپنے تئیں لائق دولتِ وصال محبوب نہ پاکر بحکم ضرورت کلبۂ احزان کے گوشۂ گمنامی میں رہنا پسند کیا۔ قرب سے فرار اور بُعد کو اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ اتصال پر انفصال کو ترجیح دی اور یہ معلوم کرکے کہ آزادی اختیار کرنے میں بھی گرفتاری سے رہائی ملنا محال ہے۔ خوشی کے ساتھ مؤخر الذکر کو قبول کیا ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں ❁ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عبارتہائے پریشان اور اشارت پراگندہ لکھ کر اس سے زیادہ آپ کی سمع خراشی کرنا نہیں چاہتا۔ خداوند پاک جل وعلا ہم کو اور آپ کو سید الانبیاء محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر قائم اور ثابت قدم رکھے۔

(ملہ) اگر دین کا بادشاہ (اللہ ورسول) چاہے کہ مجھ میں طمع کی صفت پیدا ہو جائے تو مجھے قناعت کی کیا پڑی ہے۔ قناعت کے سر پہ خاک۔

Marfat.com

نواں مکتوب (۲۹)

شیخ نظام تھانیسری کے نام لکھا گیا

ادائے فرائض کی ترغیب۔ سنن اور اداب کی رعایت نوافل کو فرائض کے مقابلے میں ہیچ سمجھنا عشا کی نماز کو رات کے پچھلے نصف میں پڑھنے کی ممانعت آبِ مستعمل کو پینا ناجائز ہے پیر کو سجدہ کرنا حرام ہے۔"

خداوند پاک جل وعلا ہم کو اور آپ کو بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم تعصب اور کج فہمی کی بلا سے محفوظ رکھے۔ جن اعمال سے بارگاہ الٰہی تعالےٰ وتقدس میں انسان کو قرب حاصل ہوتا ہے دو طرح کے ہیں: فرائض اور نوافل، نوافل کو فرائض کے مقابلے میں بالکل ہیچ اور بے حقیقت سمجھنا چاہیئے۔ ایک وقت کا فرض الٰہی بجالانا ہزار سال کی نفل عبادت سے یقیناً بہتر ہے گو ان نوافل کو کتنے ہی اخلاص کے ساتھ کیوں نہ ادا کیا جائے۔ اس قاعدے کو ہر قسم کی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، ذکر وفکر وغیرہ پر حاوی خیال کریں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کسی فرض کو بجالاتے وقت اس کے ضمن میں اس کی تکمیل کے لئے کسی سنت یا مستحب

کا ادا کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ موطائے امام مالک میں (جو حدیث شریف کی ایک نہایت معتبر کتاب ہے) روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھ کر حاضرین جماعت میں نظر دوڑائی تو انہیں معلوم ہوا کہ سلیمان بن ابی حثیمہ موجود نہیں۔ کسی قدر دن

Marfat.com

پر پڑی۔ آپ کا گذر سلیمانؓ مذکور کے مسکن پر ہوا اور آپ نے سلیمانؓ کی والدہ سے جو اس وقت گھر میں موجود تھی استفسار فرمایا کہ تمہارا بیٹا آج صبح کی جماعت میں کیوں شامل نہیں ہوا؟ اس نے جواباً عرض کیا کہ چونکہ وہ رات بھر خدا کی عبادت میں جاگتا رہا اس لئے صبح کے وقت اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے قاصر رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ میرے نزدیک تو صبح کی نماز باجماعت ادا کرنا رات بھر کی شب بیداری سے بہت بہتر ہے اس سے ہم صاف طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ تکمیلِ فرائض کے لئے کسی سنت یا مستحب کا بجا لانا اور اپنے فرض کو نقص سے محفوظ رکھنے کے لئے مکروہ[1] تحریمی تو در کنار مکروہ تنزیہی سے اجتناب کرنا بھی ذکر و فکر اور مراقبہ و توجہ سے ہزار درجہ افضل ہے یہ اور بات ہے کہ فرائض کو بایں اہتمام بجا لانے کے علاوہ کوئی شخص ذکر و فکر اور دیگر عباداتِ نوافل میں مشغول رہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ دونوں دفرائض و نوافل پر عمل پیرا ہونا غایت درجے کی فوز اور سعادت ہے لیکن فرائض کو ناقص چھوڑ کر نوافل میں منہمک ہو جانا کامیابی کی سبیل نہیں۔ مکرر میں کہتا ہوں کہ جس طرح فرض کی بجا آوری کو نوافل کی بجا آوری پر بمراتب ترجیح حاصل ہے اسی طرح اس فرض کے متعلق کسی سنت یا مستحب کو بجا لانے کا بھی یہی حکم ہے مثلاً جس طرح فرض

---

[1] جس امر کا ارتکاب صریح حرام نہ ہو لیکن شرع میں اس سے پرہیز کرنا کم و بیش ضروری خیال کیا گیا ہو اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ سخت مکروہ کو مکروہ تحریمی اور خفیف مکروہ کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ مراقبہ اور توجہ علم تصوف کے خاص اشغال ہیں۔ اگر ان کی حقیقت معلوم کرنا چاہیں تو شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب "القول الجمیل" مطالعہ کریں۔

Marfat.com

زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ایک پائی کا دینا نفلی طور پر پہاڑوں کے پہاڑ زرِ سرخ خرچ کر دینے سے بمراتب بہتر ہے اسی طرح اگر اس مقدار زکوٰۃ کے ادا کرنے میں اس مستحب کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ پائی کسی رشتہ دار محتاج کو دی جائے تو یہ مستحب بھی ملکوتیت کے لحاظ سے فرض ہی کی مانند ہے۔ اس قدر تمہید کے بعد آپ کو یہ بھی واضح طور پر معلوم ہو گیا ہوگا کہ عشاء کی نماز کو اپنے وقتِ مستحب سے مؤخر کر کے رات کے پچھلے حصے میں اس لئے ادا کرنا کہ نمازِ تہجد فوت نہ ہو جائے کس قدر قبیح اور موجب خرابی ہے۔ علمائے حنفیہ کے نزدیک عشاء کی نماز کو رات کے پچھلے نصف حصے میں ادا کرنا مکروہ ہے بظاہر اس سے کراہت تحریمی مراد ہے۔ کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ نمازِ عشاء کو آدھی رات تک ... ادا کرنا تو جائز اور مباح ہے لیکن نصف آخر میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ مکروہ کے لفظ کو مباح کے مقابلے میں لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد مکروہ تحریمی ہے علمائے شافعیہ کے نزدیک تو اس وقت میں عشاء کی نماز سرے سے جائز ہی نہیں۔ اسلئے محض تہجد بجالانے کی خاطر اور اس وقت میں ذوق و حلاوتِ عبادت حاصل ہونے کی غرض سے ادائے فرض کے متعلق کراہت تحریمی کا ارتکاب کرنا نہایت ہی بری بات ہے۔ اس غرض کے لئے نمازِ وتر کو مؤخر رکھنا کافی ہے بلکہ یہ تاخیر مستحب بھی ہے۔ اس طرح یہ وتر کی نماز بھی اپنے مستحب وقت میں ادا ہونا مقصود ہے اور نمازِ تہجد و سحر خیزی کی غرض بھی اچھی طرح پوری ہوتی ہے۔ الغرض اس عملِ قبیح کو ترک کر کے اس طرح پڑھی ہوئی نمازوں کو قضا کرنا چاہیئے امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کا ایک مستحب متروک ہو جانے کی وجہ سے چالیس سال کی پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ کیا۔ جس پانی کو ازالۂ حدث کے لئے یا

Marfat.com

حصولِ قربت کی نیت سے ایک دفعہ وضو کرنے میں استعمال کیا گیا ہو اس کو کوئی شخص پینے کے لئے استعمال نہ کرے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس سے اجتناب کرائیں۔ کیونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا پانی نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ فقہائے کرام نے آبِ مستعمل۱؎ کا پینا ممنوع قرار دیا ہے اور اس کے پینے کو مکروہ لکھا ہے البتہ جو پانی وضو کرتے وقت وضو کے برتن میں بچ رہتا ہے اس کا پینا شفائے امراض بیان کیا گیا ہے

۱؎ اس مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ امام اعظم صاحب کے نزدیک جب پانی کو وضو یا غسل میں ایک دفعہ استعمال کیا گیا ہو اس سے دوسری دفعہ وضو یا غسل کرنا ناجائز ہے بلکہ امام صاحب کا یہ مذہب ہے کہ اس کا پینا بھی درست نہیں ایسے پانی کو اصطلاح فقہ میں آبِ مستعمل کہتے ہیں۔ کسی پانی کو اس وقت آبِ مستعمل کہا جائیگا جبکہ اس کو ازالہ حدث یا حصولِ قربت کیلئے استعمال کیا گیا ہو، ازالہ حدث کے معنے بے وضو ہونے کی حالت کا دور کرنا۔ حصولِ قربت سے مراد محض ثواب حاصل کرنا ہے۔ اس کی توضیح ایک مثال سے ہو سکیگی۔ ایک شخص نے وضو کے اعضا کو بطور وضو کے دھو لیا سر کا مسح کیا یعنی اس پر گیلا ہاتھ پھیر لیا لیکن اس کے دل میں وضو کرنے کی نیت نہیں تھی۔ صرف اعضا کو ٹھنڈک پہنچانے کیلئے اس نے ایسا کیا چونکہ امام صاحب کے نزدیک نیت شرط نہیں اس لئے اس کا حدث (بے وضو ہونے کی حالت) دفعہ ہو گیا اور پانی ازالہ حدث کی وجہ سے آبِ مستعمل ٹھہرا جس کا حکم عنوان میں معلوم ہو چکا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک باوضو شخص محض ثواب حاصل کرنے کیلئے تازہ وضو کرتا ہے اس صورت میں ازالہ حدث تو نہیں ہوا تاہم حصولِ قربت کی وجہ سے وہ آبِ مستعمل ہو گیا لیکن اگر ایک باوضو شخص محض تفریح کے طور پر یا ٹھنڈک پہنچانے کی غرض سے وضو کے اعضا دھو لیتا اور سر پر گیلا ہاتھ پھیر لیتا ہے ایسی صورت میں نہ تو ازالہ حدث ہوا ہے اور نہ حصولِ قربت (حصولِ قربت اس لئے نہیں ہوا کہ ثواب حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے) اس لئے یہ آبِ مستعمل نہیں کہلائیگا اور ایسے پانی کو اگر دوبارہ بھی استعمال کریں یا پی لیں تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے۔

Marfat.com

اگر کوئی ارادت مند تبرکاً وضو کا فضلہ استعمال کرنا چاہیے تو مؤخران کرکا پانی دے دیا کریں لیکن آبِ مستعمل ہرگز نہ دیں۔ مجھ کو بھی اب کی دفعہ دہلی میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ یارانِ طریقت میں سے ایک صاحب کو بطور واقعہ[1] کے یہ دکھایا گیا کہ اگر میرے وضو کا آبِ مستعمل استعمال نہیں کریں گے تو انہیں سخت نقصان پہنچے گا۔ ہر چند میں نے ٹالنا چاہا لیکن انہوں نے نہ مانا۔ فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ کسی عضو کو تین مرتبہ دھو کر جو چوتھی دفعہ اس طرح پر دھوئے کہ حصولِ قربت کی نیت نہ کرے تو یہ پانی آبِ مستعمل نہیں کہلائے گا اور اس لئے وہ نجس بھی نہیں ہوگا۔ اس ترکیب کو عمل میں لا کر اس کا اصرار پورا کیا۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بعض خلفائے طریقت کو لوگ سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی کو بھی تعظیم پیر کے لئے کافی نہیں خیال کرتے۔ یہ ایک ایسا فعل ہے جس کی قباحت اظہر من الشمس ہے۔ آپ کو مناسب ہے کہ اس کا نہایت سختی کے ساتھ انسداد کریں۔ اس قسم کے اعمالِ قبیحہ سے ہر ایک مسلمان کو اجتناب کرنا فرض ہے لیکن جس شخص کے افعال و اعمال کا اور لوگ بھی اقتدا کریں اس کے حق میں ایسے غیر مشروع اور ناجائز حرکات کا ارتکاب کرنا یا کرنے دینا اور بھی سخت مذموم ہے۔ اس لئے ایسی باتوں سے پرہیز رکھنا اس کے لئے نہایت اشد ضروری ہے عام لوگ اس کو دیکھ کر اس کا اقتدا کرتے اور جادۂ ضلالت میں گرتے ہیں۔ یہ بھی آپ سمجھ لیں کہ صوفیائے کرام کا سرمایۂ علوم احوال[2] محمودہ کے حصول تک محدود ہے لیکن احوالِ محمودہ کا پیدا

---

[1] جو کیفیت خواب میں دکھائی دے یا بطریق مکاشفہ کسی بات کا انکشاف ہو اس کو اہلِ تصوف کی اصطلاح میں واقعہ کہتے ہیں۔

[2] یہاں حال و قال کا فرق جو کسی گذشتہ مکتوب کے ذیل میں واضح کر دیا گیا ملحوظ رکھنا چاہیے احوال جمع حال کی ہے۔

Marfat.com

ہونا اعمالِ حسنہ بجا لانے کا نتیجہ ہے۔ جبتک کوئی شخص اپنے اعمال کی اصلاح نہ کرے وہ علوم معرفت کے احوالِ عالیہ سے ہرگز بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اعمال کی اصلاح و تصحیح تب ہی ممکن ہے کہ ہر ایک عمل صالح کی کیفیت اور حقیقت سے علم اور آگاہی حاصل کی جائے مطلب یہ ہے کہ سب سے مقدم طور پر احکامِ شرعیّہ کا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ عبادات مثلاً نماز، روزہ اور دیگر فرائضِ اسلام۔ مختلف معاملات مثلاً نکاح، طلاق، خرید و فروخت الغرض ہر ایک ایسی چیز جس کا بجالانا خدا کی جانب سے واجب کیا گیا ہے اور جس بات کی انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی ہے ان سب کا علم حاصل کرنا تصوف و عرفان کا پہلا مرحلہ ہے۔ یہ علم (علم احکامِ شرعیہ) ایک امر اکتسابی ہے جس کا حصول انسان کی اپنی جد و جہد اور سعی (کوشش) پر منحصر ہے اس کے لئے دو طرح کی کوشش کرنی پڑتی ہے (۱) حصولِ علم سے پہلے اس کے حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے پڑتے ہیں (۲) علم کو حاصل کر کے اس کے بموجب اپنے اعمال و اخلاق کو درست کرنے کے لئے جد و جہد کرنا ضروری ہے۔ اس تمہید کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح آپ کی [illegible] والا میں کتب تصوف کا درس اور مذاکرہ ہوا کرتا ہے اسی طرح علم فقہ کی کتابوں کا پڑھانا بھی لازم ہے۔ فارسی زبان میں فقہ کی کتابیں کثرت سے ملتی ہیں، مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، اور کنز فارسی وغیرہ بلکہ علم احکام شرعیہ کا حاصل کرنا اس قدر اہم ہے کہ اگر کتب تصوف کا درس متروک بھی ہو جایا کرے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن کتب شرعیہ کا مطالعہ اور درس موقوف نہ ہو اول الذکر کا تعلق صرف احوالِ باطن سے ہے جن کا حاصل کرنا فرض مؤکد نہیں بلکہ فقط تکمیل نفس

Marfat.com

کا ذریعہ ہے لیکن مؤخر الذکر کا تعلق اعمال سے ہے جن پر نجات آخرت کا دارومدار ہے۔ زیادہ لکھنا فضول ہے۔ اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ رشتے نمونہ از خروارے وانداکے دلیل بسیارے ہے

اندکے پیشِ تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

خداوند پاک جل وعلا ہم کو اور آپ کو حبیب خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت نصیب فرمائے۔

Marfat.com

دسواں مکتوب (۲۰)

ملا محمد صدیق جو امام صاحب کے پرانے پیش خدمت ہیں ان کا قول ہے کہ یہ مکتوب بھی شیخ نظام تھانیسری کے نام لکھا گیا ہے۔

شہود آفاقی اور شہود انفسی کا بیان، شہود انفسی اور تجلی صوری کا فرق مقام عبدیت ایک نہایت اعلیٰ مقام ہے اس مقام کے علوم و معارف علوم شرعیہ کے عین مطابق ہوتے ہیں وغیرہ:

خداوند پاک جل وعلا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت سے مشرف اندوز کر کے سنت نبویہ کے زیور عالی گوہر سے آراستہ فرمائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں کیا لکھوں۔ اگر مولائے پاک تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ قدس کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کروں تو میرا یہ کہنا محض جھوٹ اور بہتان ہوگا۔ اس کی جناب کبریاء اس سے بالاتر ہے کہ مجھ جیسے یاوہ گو کے زبان زد ہو۔ مخلوق کو کیا مجال کہ خالق بیچوں کی ذات و صفات مقدسہ کا بیان کرے۔ محدث[1] (حادث) اور قدیم کی آپس میں کیا مناسبت؟ مکانی کو لامکانی کی حقیقت دریافت کرنے کا کیا مقدور اور کیا حوصلہ؟ عاجز مخلوق کو....

.... اپنی ذات سے باہر کی اشیاء پر دسترس نہیں۔ اس کی دوڑ اور تیز روی اپنے تک محدود ہے کسی عارف نے اسی مضمون کو کیسا اچھا ادا کیا ہے

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود ——— گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

---

[1] جو چیز عدم سے موجود ہوئی ہے یعنی پہلے نیست تھی پھر ہست ہوگئی اس کو محدث کہتے ہیں اس کے بالمقابل جو چیز ازلی ہے اس کو قدیم کہیں گے، جیسے ذات وصفات الٰہی جن پر کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ وہ معدوم ہوں۔ سوائے ذات وصفات الٰہی سب اشیاء محدث ہیں۔ لامکانی سے مراد ذات پاک الٰہی جل وعلیٰ ہے جو مکان کے تعلق سے برتر ہے:

Marfat.com

ذرّۂ ناچیز خواہ وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو یا کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو بہرکیف اگر وہ عمر بھر بھی تگ و دو میں مصروف رہے اس کی سیر اپنی ذات تک محدود ہوگی) یہ زیادہ تصور بھی سیر انفسی میں حاصل ہوتی ہے جو منتہائے سلوک ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کا قول ہے کہ "اولیاء اللہ فنا اور بقاء کا مرتبہ حاصل کرلینے کے بعد جو کچھ بھی مشاہدہ کرتے ہیں اپنی ذات میں مشاہدہ کرتے ہیں اور جو کچھ بھی انہیں معرفت حاصل ہوتی ہے اپنی ذات میں حاصل ہوتی ہے، ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (سب کچھ تمہاری اپنی ذات میں ہے کیا تم چشم بینا نہیں رکھتے؟) اس سے پہلے جس قدر بھی سیر واقع ہو وہ سیر آفاقی کے حدود کے اندر ہے جس سے کوئی معتدبہ منفعت حاصل نہیں ہوتی، اس کا لیے منفعت ہونا اصل مطلب تک پہنچنے کے لحاظ سے ہے ورنہ سیر آفاقی بھی آلاتِ مطلوب اور شرائط راہِ عرفان سے ہے۔ حضرت شاہ نقشبند قدس اللہ سرہٗ نے جس "شہود[1] انفسی" کا بیان فرمایا ہے اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے، یہ توہم کر بیٹھیں کہ وہ شہود بھی تجلیٔ صوری کے مشابہ ہوگا جس کا ظہور شخص متجلّی لہٗ کے اپنے نفس میں ہوتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ تجلی صوری جس قسم کی بھی ہو سیر آفاقی میں داخل ہے۔ اس وقت ابھی علم الیقین[2] کا مرحلہ طے نہیں کیا ہوتا لیکن شہود

---

[1] شہود انفسی سے ایک خاص تجلیٔ ذات حق کی مراد ہے تجلی کے مفہوم کے متعلق ایک ذیلی حاشیہ میں کسی قدر تشریح کردی گئی ہے جس کو یہاں بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ تجلی صوری کی تشریح خود امام صاحب نے مختلف مکتوبات میں فرمائی ہے۔ متجلی لہٗ وہ شخص ہے جس کو تجلی حاصل ہو۔

[2] کسی چیز کے وجود کا یقین تین طرح پر حاصل ہوسکتا ہے (۱) استدلال سے (۲) معائنہ سے (۳) تجربہ سے اس کی توضیح ایک مثال سے ہوسکتی ہے۔ فرض کیجیے ہم نے دور سے دھواں دیکھا دھواں اور آگ لازم و ملزوم ہیں اس لیے اول الذکر کی وجہ سے ہم استدلال کرسکتے ہیں کہ مؤخر الذکر بھی ضرور موجود ہے یعنی دھواں دیکھ کر ہم یقین کریں گے کہ جہاں سے دھواں نکل رہا ہے

Marfat.com

الفسی اس وقت میسر ہوتا ہے جبکہ حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جو مراتب کمال کا انتہائی مرحلہ ہے۔ شہود کا لفظ بولنا بھی لغت اور عبارت کی تنگیٔ میدان کی وجہ سے ہے (اس خاص کیفیت سے تعبیر کرنے کے لئے کوئی ایسا لفظ لغت میں ہے ہی نہیں جو اس کی کُنہ حقیقت کو ظاہر کر سکے، اس لئے مجبوراً یہی لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے ورنہ جس طرح ان عالی ہمت مردانِ راہ کا مطلوب بے چوں و بے چگوں ہے اسی طرح وہ نسبت جو ان کو اپنے مطلوب سے حاصل ہوتی ہے (جو منتہائے عرفان ہے) وہ بھی بے چوں و بے چگون ہے اور عبارت اس کے ادا کرنے سے قاصر ہے، حضرت مولوی معنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ نے۔ کیا خوب فرمایا ہے ؎

اتصالے بے تکیّف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

لیک گفتم ناس را نسناس نہ ناس غیر از جان جاں اشناس نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹ سے آگے) وہاں آگ موجود ہے پر استدلال ہے اور اسی طرح جو یقین حاصل ہوا اس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ دوسرا درجہ معائنہ کا ہے چنانچہ ہم وہاں جا کر آگ کے شعلے بچشم خود مشاہدہ کر لیں اس کو عین الیقین کہیں گے۔ مزید براں جب ہم اس آگ میں ہاتھ ڈال کر اپنے پر اس کی خاصیتِ احراق کا تجربہ بھی کر لیں تو اس مرتبہ یقین کا نام حق الیقین ہے امام صاحب نے بھی ایک مکتوب میں یقین کے انہی مراتب سہ گانہ کی تشریح فرمائی ہے جو اس سے کسی قدر مختلف ہے لیکن عام طور پر یہی تفصیل اور تعریف درست سمجھی جاتی ہے اور خود امام صاحب نے جو تشریح فرمائی ہے اس کا سمجھنا بھی اسی پہ موقوف و منحصر ہے۔

لہ ترجمہ ذات پاک خالق جل وعلا کو اپنی مخلوق سے ایک ایسا خاص تعلق اور اتصال ہے، جس کی نہ تو کیفیت بیان کی جا سکتی ہے اور نہ وہ تعلق و اتصال سمجھ میں آسکتا ہے لیکن مخلوق سے میری مراد انسان کامل ہے۔ وہ نہیں جو بن مانس کی طرح فقط صورت انسان ہو۔ انسان حقیقی وہی ہے جس کو محبوبِ حقیقی (حق جل وعلا) کی معرفت حاصل ہو۔

Marfat.com

مذکورہ بالا توہم پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں بقائے شخص[1] موجود ہے اور اسی وجہ سے شہود انفسی اور شہود صوری (جو تجلی صوری میں حاصل ہوتا ہے) آپس میں مشابہ ہم دگر معلوم ہوتے ہیں۔ بقائے شخص کا باعث یہ ہے کہ تجلی صوری موجب فنائے شخص نہیں اور گو وہ کسی نہ کسی طرح قیود کو رفع کر دیتی ہے لیکن پھر بھی فنا حاصل نہیں ہوتی اور اس لئے تجلی صُوری کے حصول کی حالت میں بھی سالک کے وجود کا بقیہ موجود رہتا ہے۔ سیر انفسی تو محل اشتباہ ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کا حصول تب ہی متصور ہے جبکہ فنائے تام اور بقائے کامل حاصل ہو چکی ہو۔ چونکہ ان دونوں بقاؤں میں فرق نہایت دقیق ہے اس لئے بظاہر دونوں حالتیں متحد معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ عام طور پر معلوم ہو جائے کہ اہلِ عرفان کے نزدیک بقائے ثانی سے مراد یہ ہے کہ بقاء باللہ حاصل ہو جس کو وہ وُجود موہوب حقانی" کہتے ہیں تو ممکن ہے کہ یہ توہم واقع نہ ہو۔ بقا باللہ کے یہ معنے سمجھنا غلط ہے کہ اپنی ذات اس کو عین ذاتِ حق تعالیٰ وتقدس دکھائی دے اگر صوفیائے کرام کی بعض عبارتوں سے اس قسم کے معنے مفہوم بھی ہوں تو اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مفہوم کے لحاظ سے بعض سالکانِ طریقت کو جذبہ کے مقام میں استہلاک اور اضمحلال (جو فنائے تام سے مشابہ ہے) کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔ اس کو اکابر نقشبندیہ اپنی اصطلاح میں وجود عدم کہتے ہیں۔ یہ حالت فنائے حقیقی سے پہلے حاصل ہوتی ہے اور زوال پذیر ہے کبھی رونما ہوتی ہے اور کبھی معدوم

---

[1] بقائے شخص سے مراد عدم فنا ہے۔ آگے کی عبارت پڑھنے سے یہ مطلب خود بخود کھل جاتا ہے۔ فنا و بقا سے وہی تصوف اور طریقت کی اصطلاحی فنا و بقا مقصود ہے۔

Marfat.com

ہو جاتی ہے لیکن جو بقا فنائے حقیقی (فنائے تام) کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ زوال اور خلل سے بالکل محفوظ ہے۔ اکابر نقشبندیہ کی فنا بھی دائمی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل درست و بجا ہے کہ ایسا مرد کامل عین بقا میں فانی اور عین فنا میں باقی رہتا ہے۔ جس فنا و بقا کو دوام نہیں وہ تو احوال[1] اور تلوینات کے قبیلے سے ہیں جس سے ہمیں کچھ بھی سروکار نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کا قول مبارک ہے "وجود عدم[2] بوجود بشریت عود میکند اما وجود فنا بہ وجود بشریت عود نمیکند" اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات نقشبندیہ کے نزدیک وقت[3] اور حال وہی معتبر ہے جو دائمی ہو بلکہ ان کی نسبت عالیہ میں وقت اور حال کے مفہوم کو بھی دخل نہیں۔ ان کا معاملہ اس ذات متعالیہ سے ہے جو خالق اوقات اور مکوّن و مقلّب احوال ہے۔ زوال پذیر ہونا مخلوق کی خاصیت وقت اور حال میں تو پائی جاتی ہے لیکن جس شخص کا معاملہ اس مرحلہ سے گزر کر خالق اوقات و احوال تک جا پہنچا ہے اس کو تغیر اور زوال کا خوف نہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے اور خدا تو بڑے فضل والا ہے) بعض لوگوں

---

[1] احوال و تلوینات سے مراد ایک غیر پائدار حالت کا نمودار ہوتا ہے۔

[2] ترجمہ "وجود عدم" (جس سے مراد وہی استہلاک و اضمحلال کی حالت ہے جو مرتبۂ فنا کے حاصل ہونے سے پیشتر حاصل ہوتی ہے جس کا ذکر چند سطر پہلے امام صاحب فرما چکے ہیں) وجود بشریت کی طرف عود کر آتا ہے لیکن فنا کا مرتبہ حاصل ہو تو وجود بشریت کا عود نہیں کرتا" امام صاحب کا مطلب اس عبارت کے نقل کرنے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ "وجود عدم" کی حالت اگرچہ مقام فنا کے مشابہ ہے لیکن اس کو دوام و استقرار نہیں اور جس حالت یا مقام کو دوام و استقرار نہیں وہ اکابر نقشبندیہ کے نزدیک کچھ بھی قابل اعتبار نہیں۔

[3] اس موقعے پر وقت کا لفظ بھی اصطلاحی طور پر "حال" کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

Marfat.com

کا خیال ہے کہ یہ جو اکابر طریقت نے فرمایا ہے کہ "وجود فنا بہ وجود بشریت عود نمی کند" جس کا ماحصل یہ ہے کہ نقطۂ کمال پر پہنچ کر جو وقت اور حال حاصل ہوتا ہے وہ دائمی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس "وقت" کا اثر از قسم تعین[1] وغیرہ باقی رہتا ہے یہ نہیں کہ عین "وقت" کو "دوام اور بقا حاصل ہے لیکن یہ خیال غلط ہے عین "وقت" اور نفس "حال" کو دوام و استمرار حاصل ہے۔ جو کچھ ان لوگوں نے کہا ہے بغیر کسی دلیل کے محض اٹکل پچو کہہ رہا ہے وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (یہ قرآن کریم کی آیت ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اٹکل پچو باتیں (بغیر کسی قسم کے ثبوتِ صحیح کے) کسی امر کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے کچھ بھی مفید نہیں) بلکہ میں کہتا ہوں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (یہ بھی قرآن کریم کی آیت ہے۔ یعنی ضرور بعض اٹکل پچو باتیں خلاف شرع (گناہ) ہوتی ہیں) بات بڑھتی بڑھتی کہیں سے کہیں جا نکلتی ہے۔ اس طولانی تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی جناب کبریا اس سے برتر ہے کہ توسن قلم کو اس کے میدان قدس میں جولانی کرنے کی جرأت ہو سکے اس لئے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بندگی۔ ناچیزی اور مذلت کو مدنظر رکھ کر آپ کو چند ایک باتیں سنائیں،

نوع انسان کی آفرینش کا اصل مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے خالق تعالیٰ وتقدس کی عظمت اور جلال کو معلوم کر کے اپنی عزیز زندگی کو لوازم بندگی اور وظائف عبودیت میں صرف کرے۔ عشق و محبت الٰہی کو راہِ سلوک و عرفان کا جزوِ اعظم

---

[1] تعین کا مفہوم اہل تصوف کی اصطلاح میں کچھ ایسا دقیق ہے کہ ہم اس کی تشریح واضح طور پر نہیں کر سکتے تاہم صوفیا کے مکتوبات میں جستہ جستہ اس کی تحقیق ملتی ہے اور زیادہ تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو ابن عربی کی فتوحات مکیہ دیکھیں جو ایک نادر اور ضخیم کتاب عربی زبان میں ہے مطالعہ فرمائیں ۱۲

Marfat.com

بلکہ مطلوبِ اعظم خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقامِ عبودیت کے حصول کا ایک وسیلہ ہے سلوکِ راہِ معرفت کی ابتداء اور وسط میں اس کا وجود اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ سالک کا تعلق قلبی تمام غیر اللہ سے قطع ہو کر صرف محبوبِ حقیقی عکس کا قبلۂ توجہ قرار پائے۔ خالق جلّ وعلا کی خالص عبودیت تب ہی حاصل ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی گرفتاری اور عبدیت سے بالکل آزاد ہو جائے عشق ومحبت اسی انقطاعِ تعلق کا ایک ذریعہ ہے۔ مراتبِ ولایت کا آخری مقام عبدیت ہے جس سے بڑھ کر کوئی جلیل القدر رتبہ کمالاتِ انسانی میں نہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر بندہ اپنے تئیں مولائے پاک جل وعلا سے محض بے مناسبت سمجھنے لگتا ہے، وہ جانتا ہے کہ مخلوق از خاک اور جنابِ کبریائی خالقِ پاک کے درمیان کچھ بھی مناسبت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ مناسبت یہی ہے کہ بندہ ہر ایک طرح.... سے اپنے مولائے پاک وعلا کا محتاج ہے اور حق تعالیٰ وتقدس اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے کسی کا کچھ بھی محتاج نہیں۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ[1]) وہ یقین کرتا ہے کہ میری ذاتِ حقیرہ کو حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ متعالیہ سے میرے افعال بہ از عیب ونقصان کو ایزد متعال کے افعالِ بے زوال وبرتر از وہم وخیال سے کچھ بھی مناسبت نہیں، وہ یہ کہنے سے بھی سخت اجتناب کرتا ہے کہ بندہ کی ذات یا اس کے افعال وصفات حضرت حق تعالیٰ وتقدس کی صفات وافعال کا پرتو اور عکوس[1] وظلال ہیں۔ کیونکہ ظل یا پرتو کا اطلاق کرنے سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ خالق ومخلوق میں کچھ تو مناسبت ہے۔

---

[1] ضرور خدائے پاک جل وعلا تمام مخلوق سے بے پرواہ ہے۔

Marfat.com

ایک عارفِ کامل اس سے زیادہ کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کرسکتا کہ بندہ مخلوق ہے اور حق تعالیٰ و تقدس اس کا خالق۔ جس لفظ میں ذرہ بھی مناسبت کا ایہام پایا جائے وہ اس کا زبان پر لانا گستاخی سمجھتا ہے۔ بعض سالکانِ راہ کو قطع مراحل و منازل کی اثناء میں توحیدِ فعلی کا مقام حاصل ہوتا ہے جس میں وہ تمام دنیا و ما فیہا کے افعال کو صادر عن اللہ سمجھتے ہیں اور سوائے حق تعالیٰ و تقدس کے انہیں کوئی بھی دوسرا فاعل نظر نہیں آتا لیکن بایں ہمہ اکابرِ طریقت جانتے ہیں کہ اس توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ان سب افعال کا خالق ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ و تقدس۔ یہ نہیں کہ حق تعالیٰ و تقدس بلا واسطہ ہر ایک فعل کا فاعل بھی ہے ایسے اعتقاد کو تو الحاد یا زندقہ کہنا کچھ بھی نامناسب نہیں۔ اس حقیقت کی مزید توضیح کے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شعبدہ باز پردہ میں بیٹھ کر چند ایک بے جان تصویروں کو حرکت میں لاتا ہے اور ان بیجان تصویر ظل[1] سے نہایت عجیب و غریب رقاصانہ حرکات ظہور میں آتی ہیں۔ حاضرین میں سے جو لوگ تیز بصر ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان بیجاں صورتوں کو حرکت میں لانے والا کون ہے؟ کیونکہ ان میں بذات خود حرکت کرنے کی کچھ بھی استعداد نہیں۔ ان کی حرکات کا موجد وہی شعبدہ باز پردہ نشین ہے لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ان حرکات کی بلاواسطہ نسبت خود انہی صورتوں کی طرف ہو سکتی ہے۔ ظاہراً یہی کہیں گے کہ صورتیں حرکت کر رہی ہیں۔ یہ کہنا خود غلط اور خلافِ واقعہ ہے کہ شعبدہ باز حرکت یا رقص کر رہا ہے۔ الغرض توحیدِ فعلی کی جو حقیقت بیان کی گئی

---

[1] عکوس عکس کی جمع ہے اور ظلال جمع ظل بہ معنے سایہ کے ہے ÷

ہے وہ بالکل صحیح و درست ہے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صریحًا یہی تعلیم ہے۔ توحیدِ فعلی کی یہ حقیقت سمجھنا کہ جو افعال ظاہرًا مخلوق سے سرزد ہوتے ہیں ان کا فاعل بھی حق تعالیٰ و تقدس ہے منجملہ سکریاتِ طریقت کے ہے۔ حق بات یہ ہے کہ فاعل کے متعدد ہونے میں ذرہ بھی شک نہیں۔ ہاں ان سب افعال کا خالق ایک ہی ہے۔ توحیدؔ[1] وجودی کے متعلق بھی جو کچھ سالکانِ طریقت سے منقول ہے وہ سُکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ہے۔ علومِ باطن کی حقانیت کا معیار یہ ہے کہ وہ شریعت مقدسہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عین مطابق ہوں۔ بال بھر کا تفاوت

---

[1] توحیدِ فعلی کی تشریح تو خود امام صاحبؒ نے متن مکتوب میں کر دی ہے اور محققانہ اور عامیانہ معنوں میں فرق بھی بتا دیا ہے۔ توحید وجودی کی تشریح یہ ہے کہ بعض اہلِ تصوّف کے نزدیک سوائے ذات پاک خدا جل وعلا کے اور کوئی بھی چیز موجود نہیں۔ وہ ذاتِ حق کو "وجود ساری" (یعنی وہ وجود جو تمام عالم میں سرایت کئے ہوئے ہے) مانتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کو دریا اور موج سے تشبیہ دیتے ہیں وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اس جماعت کے امام ابن عربی ہیں اور اہلِ تصوف کے اس گروہ کو اربابِ توحید وجودی کہتے ہیں لیکن امام صاحبؒ اس کے قائل نہیں۔ بایں ہمہ اربابِ توحیدِ وجودی پر بھی طعن نہیں کرتے بلکہ ان کے اس اعتقاد کو سکر اور غلبۂ حال پر محمول کرتے ہیں۔ غلبۂ حال سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک عاشق منہمک کو سوائے محبوب کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ حالانکہ خارج میں بے شمار اشیاء موجود ہوتی ہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی سوائے ذاتِ پاک جل وعلا کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ خود امام صاحبؒ توحید وجودی کے وہی معنے لیتے ہیں جس کی تشریح انہوں نے توحیدِ فعلی میں فرمائی ہے یعنی اگرچہ دوسری چیزیں بھی خارج میں متحقق اور موجود ہیں لیکن خدائے پاک جل وعلا کے وجود کے مقابلے میں دیگر تمام اشیاء کا وجود ہیچ ہے ان سب کا وجود اسی ذات متعالیہ کا عطیہ ہے اور ان کا قیام و ثبات بھی اسی کے فیضان پر موقوف ہے مسئلہ توحید وجودی تصوف کا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور امام صاحبؒ نے مختلف مکتوبوں میں نہایت بسط کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے چنانچہ جو مکتوب اس مکتوب کے بعد شروع ہوتا ہے اس میں بھی اس کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

بھی نظر نہ آئے تو سمجھ لیجئے کہ سکر کا نتیجہ ہے جو کچھ اہل سنت والجماعت کے علمائے محققین نے دلائل شرعیہ سے تحقیق کر کے بیان فرمایا ہے انہی مسائل کو حق صریح اور اعتقاد صحیح سمجھنا چاہیئے اور جو ذرہ بھر بھی اس کے خلاف ہو تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو وہ الحاد اور زندقہ ہے یا بصورت دیگر سکر اور حال کا نتیجہ ہے علومِ باطن اور حقائق شرعیہ کی صحیح تطبیق اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سالک کو مقام عبدیت حاصل ہو لیکن اس سے پہلے سکر کلیتہً زائل نہیں ہوتا اور ہر ایک مقام میں اس کا کچھ نہ کچھ شائبہ پایا جاتا ہے۔ یہ بیان بہت طویل ہے ع گر بگویم شرح ایں بحد شود

ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ سلوکِ طریقت سے کونسا مقصود حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اس قدر جدوجہد کی ضرورت ہے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا۔ "سلوکِ طریقت سے یہ مقصود ہے کہ معرفت اجمالی تفصیلی ہو جائے اور استدلال کشف سے مبدل ہو" یہ نہیں فرمایا کہ شریعت مقدسہ نے جو معارف و حقائق بیان فرمائے ہیں ان کے علاوہ اور معارف و حقائق حاصل ہوں۔ گو اثنائے راہِ سلوک میں کچھ زائد امور بھی منکشف ہوتے ہیں لیکن اگر سالک کو انتہائی مرحلہ تک پہنچنا نصیب ہو تو وہ سب زوائد کا فور ہو کر وہی معارفِ شرعیہ قائم اور ثابت رہتے ہیں۔ البتہ انہیں معارف کا انکشاف تفصیلی طور پر ظہور میں آتا ہے اور وہی حقائق جو پہلے از روئے استدلال معلوم ہوئے تھے کشف کے ذریعے معلوم ہو جاتے ہیں جس سے بردِ قلب اور اطمینان دل کی اعلیٰ حالت حاصل ہوتی ہے، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علوم کو وحی کے ذریعہ مبدءِ فیاض سے اخذ کیا تھا اسی طرح یہ کاملانِ طریقت الہام

صحیح اور کشفِ صریح کے ذریعے انہی علوم و معارف کو اسی ماخذ اصلی سے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن علمائے کرام نے انہی علوم کو اجمالی طور پر دلائل شرعیہ کے ذریعے استدلال کے طور پر حاصل کیا ہے جس طرح یہ علوم و معارف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تفصیلی طور پر بطریقہ کشف (بغیر کسی قسم کے استدلال کے) حاصل ہوتے ہیں بزرگوارانِ طریقت کی بھی بعینہٖ ویسی ہی حالت ہے، اصالت اور تبعیت کا فرق ہے (انبیاء اصل ہیں اور اولیاء اللہ کو ان کی کامل متابعت ہی کی بدولت یہ سعادت نصیب ہوتی ہے) لیکن یاد رہے کہ اس قسم کے کامل اولیاء مدتہائے دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور یہ سعادت نہایت کمیاب اور عزیز الوجود ہے۔ میرا خیال تھا کہ بطور تمثیل ایک اجمالی معرفت کو تفصیلی طرز پر لکھوں لیکن قلم نے کوتاہی کی۔ شاید خداوندِ پاک جل وعلا کی اس میں کوئی حکمت غامضہ پوشیدہ ہوگی۔ والسلام ؏

گیارھواں مکتوب (۱۱۳)

(یہ شیخ صوفی کے نام لکھا گیا)

توحید وجودی کی حقیقت۔ حق تعالیٰ و تقدس کے قرب اور معیتِ ذاتی کا بیان۔ اس مقام کو عبور کرنا۔ چند اعتراضوں کا جواب

خداوند پاک جل وعلا ہمیں سید الانبیاء والمرسلین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر دائماً قائم رکھے۔ ایک شخص نے جو آپ کی مجلسِ بابرکت میں موجود تھا بیان کیا کہ میاں شیخ نظام تھانیسری کے ایک درویش نے کسی تقریب سے وہاں میرا بھی ذکر چھیڑ دیا اور کہا کہ وہ وحدت الوجود[1] کا منکر ہے۔ یہ بھی اس شخص نے مجھ سے التماس کی کہ میں اس مسئلہ کی حقیقت آپ کی خدمت میں لکھ بھیجوں تاکہ لوگ خواہ مخواہ بدظن نہ ہوں۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (ایک قسم کا گمان گناہ بھی ہے)۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر مفصل حقیقت کا اظہار نہ کیا جائیگا تو معلوم نہیں لوگ تمہاری نسبت کیا خیال کرینگے اور فقرے کے کہنے سے سامعین پر کیا اثر ہوگا کہ فلاں شخص وحدت الوجود کا منکر ہے"۔ بنابریں یہ چند الفاظ لکھ کر تصدیع دیتا ہوں۔

مخدوم و مکرم بندہ! میرا اعتقاد عہدِ طفولیت ہی سے مشرب اہل توحید کے موافق تھا۔ میرے والد ماجد قدس اللہ تعالے سرہ بظاہر اسی اصول کے صوفی تھے اور ہمیشہ ان کا یہی شغل رہا۔ گو ان کا باطن بالکل مرتبہ بے کیف[2] کی جانب نگراں

---

[1] وحدت الوجود اور توحید وجودی ایک ہی بات ہے مفہوم میں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلا لفظ مصدر لازم ہے اور دوسرا متعدی [2] مرتبہ بے کیف سے مراد ذات حق تعالیٰ و تقدس کا بے چون و بے چگون ہونا ہے۔ جس کو کسوتِ مخلوق میں دیکھنے کی توقع کرنا اس کی شان قدوسیت و کبریائی کے سراسر منافی ہے۔

Marfat.com

رہا کیا۔ مثل مشہور ہے کہ ابن الفقیہ[1] نصف الفقیہ مجھ کو بھی مشربِ توحیدِ وجودی سے خاص دلچسپی بلکہ از روئے علم بہرۂ کافی حاصل تھا اور مجھ کو اس پاکیزہ خیال سے لذتِ عظیم حاصل ہوتی تھی۔ بالآخر مجھ کو حق تعالیٰ و تقدس کے محض فضل و کرم سے حضرت ارشاد پناہ حقائق آگاہ شیخنا و مولانا خواجہ محمد باقی باللہ قبلہ قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہٖ کا فیض صحبت میسر ہوا۔ انہوں نے مجھ کو طریقۂ علیہ نقشبندیہ کی تلقین فرمائی اور مجھ مسکین کے حال پر نہایت توجہ مبذول فرماتے رہے۔ تھوڑی مدت کے سلوک سے توحیدِ وجودی کا انکشاف ہوگیا۔ اور یہ انکشاف غلو کی حد تک پہنچ گیا۔ اس مقام کے متعلق بہت کچھ علوم اور معارف مجھ پر ظاہر ہوئے۔ اور اس مرتبے کے تمام دقائق اچھی طرح کھل گئے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کو جو معارف توحیدِ وجودی کے متعلق حاصل ہوئے تھے ان کی باریکیاں بخوبی سمجھ میں آگئیں۔ میں اس تجلیٔ ذاتی سے بھی مشرف ہوا جس کا بیان شیخ مذکور نے کتاب فصوص الحکم میں کیا ہے جس کو وہ عارف کے لئے منتہائے عروج خیال کرتا ہے اور کہتا ہے دما بعد ھذا الا العدم المحض (اس تجلی سے برتر اور بڑھ کر کوئی مقام نہیں، اس کے بعد عدم محض ہی کا رتبہ ہے) مجھ پر اس تجلی کے وہ علوم و معارف بھی مفصل طور پر القا کئے گئے جس کو شیخ موصوف اسرار مکتومہ خیال کرتا اور خاتم الولایت[2] کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے اس توحید میں مجھ کو نہایت

---

[1] یعنی فقیہ کا بیٹا بغیر تعلیم و تعلیم کے بھی آدھا فقیہ تو ضرور ہوتا ہے امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میرے والد ماجد ارباب توحید وجودی سے تھے اس لئے مجھے بھی وحدت الوجود کا مذاق وراثتاً ملا تھا اور اس مذاق سے مجھے خاص اُنس حاصل تھا۔

[2] شیخ محی الدین ابن عربی کے قول کے مطابق جس طرح نبوت کا سلسلہ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا ہے اور اس لئے ان کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔ اسی طرح ولایت کا رتبہ سب سے آخر جس شخص کو حاصل ہو

Marfat.com

سکر اور غلبۂ حال حاصل ہُوا یہاں تک کہ ایک دفعہ فرطِ سکر کی حالت میں میں نے مندرجہ ذیل رباعی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں لکھی تھی ؎

اے دریغا لیکن شریعت ملت اعمائی است[1] | ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است | کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

یہ حالت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور سالہا سال تک میں توحید وجودی کی چاشنی میں سرشار رہا۔ لیکایک عنایتِ کاملۂ الٰہی جل و علا نے میری غیبی امداد فرمائی اور جو چیز اس کے بیچون و بے چگون ہونے کا حجاب ہو رہی تھی اس کو دور کر دیا۔ جو علوم و معارف وحدت الوجود سے تعلق رکھتے تھے یکدم زائل ہو گئے مقام مذکور میں جس احاطہ[2]۔ سریان، قرب اور معیت ذاتیہ کا انکشاف ہوا تھا وہ سب روپوش ہو کر کمال تیقن کے ساتھ معلوم ہوا کہ صانعِ پاک جل و علا کو عالم کے ساتھ اس قسم کی کوئی

(بقیہ صفحہ ۹۰ سے آگے) اور جو سب سے بڑھ کر قرب و کمال رکھتا ہے وہ خاتم الولایت کے لقب سے موسوم ہے۔ یہ تھی انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ خاتم الولایت میں ہوں۔ [1] افسوس ہے کہ ہماری شریعت اندھوں کی شریعت ہے (جس نے اصل حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے) ہمارا مذہب اور ہمارا دین کفر اور نصرانیت ہونا چاہیئے میرے نزدیک تو کفر اور ایمان اس محبوب پری چہرہ کی زلفیں اور رُخِ زیبا ہیں اور ہمارے ہاں کفر و ایمان میں کچھ بھی تفاوت نہیں۔" چونکہ ارباب توحید وجودی تمام اشیاء میں وجود ذات حق تعالیٰ و تقدس کو ساری سمجھتے ہیں اس لئے وہ سب اشیاء کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس طرح دریا کی ہر ایک موج بھی وہی دریا ہے جو ایک خاص شکل میں ظہور پذیر ہے (دریا اور موج میں کچھ فرق نہیں، دریا ہی کا ایک حصہ خاص شکل اختیار کر لیتا ہے اور وہ موج کہلاتا ہے) اسی طرح وہ خیال کرتے ہیں کہ تمام مخلوقات دریائے وجود حق کی موجیں ہیں اور وہی ایک ذات تعالیٰ و تقدس سب اشیاء میں جلوہ نما ہے اسی وجہ سے وہ اس قسم کے الفاظ کہنے میں تامل نہیں کرتے۔

[2] احاطہ: محیط ہونا۔ سریان: سرایت کئے ہوئے ہونا۔ قرب و معیت ذاتیہ سے یہ مطلب ہے کہ ذات حق تعالیٰ و تقدس ہر ایک شخص کے ساتھ اور اس کے قریب ہے اس عبارت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ قرآن کریم میں بھی احاطہ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (خدائے پاک جل و علا ہر ایک چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے) وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم رہو) وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (جب میرے بندے تجھ سے میرا حال پوچھیں تو کہہ دے کہ میں ان کے بہت نزدیک ہوں) علمائے کرام

(آگے صفحہ ۹۱ پر)

Marfat.com

بھی نسبت نہیں جس احاطہ اور قرب کا کلام مجید میں ذکر ہے وہ باعتبار علم کے ہے جیسے کہ علمائے اہلسنت نے تحقیق فرمائی ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی اتحاد نہیں خدا خدا ہے اور مخلوق۔ مخلوق۔ خداوندِ پاک جل وعلا بے چگون ہے برخلاف اس کے عالم کی تمام اشیاء اس عیب سے ہرگز مبرا نہیں ہو سکتیں۔ کیا یہ ممکن ہے، کہ جو چیز بے چون و بے چگون نہیں اس پر عین و بے چگوں کا اطلاق کریں؟ واجب الوجود کو بعینہٖ ممکن الوجود سمجھنا کس قدر غلط ہے؟ قدیم[2] اور حادث کا عین ہمہ گر ہونا ہرگز متصور نہیں جیسے کہ ممتنع العدم کا جائز العدم قرار دینا بالکل محال اور ناممکن ہے کسی چیز کی حقیقت کا منقلب ہو جانا (مثلاً قدیم کا حادث ہو جانا یا بالعکس) کیا بلحاظِ عقل اور کیا بلحاظِ شرع ممتنع ہے۔ دو جداگانہ بالکل مختلف حقیقتوں کے مفہوم کا ایک دوسرے پر اطلاق کرنا کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی اور اس کے ہم مشرب ذاتِ مقدسۂ الٰہی جل وعلا

رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ الفاظ محاوراتِ عرب کے مطابق مجاز کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں احاطہ سے مراد یہ ہے کہ اس کا علم وسیع اور قدرت کاملہ ہر ایک چیز پر محیط ہے۔ معیت سے مراد معیت باعتبار علم کے ہے اور قرب سے بھی قرب علمی مراد ہے، یہ غلط اور باطل ہے کہ آیتِ اول الذکر سے اس کی ذات پاک کا ہر ایک چیز پر محیط ہونا سمجھا جائے اور پچھلی آیتوں سے اس کی ذات کے قرب و معیت کا مفہوم لیا جائے لیکن ارباب توحید وجودی کا اسی مفہوم پر اصرار ہے جس کی تردید امام صاحب نے اس عبارت میں فرمائی۔

[1] قدیم اور حادث کے مفہوم کی توضیح پہلے کی گئی ہے۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود سے بھی علی الترتیب قدیم اور حادث مراد ہے، علیٰ ہذا القیاس ممتنع العدم صرف ذات وصفات حق جل وعلا ہے جس پر عدم کا طاری ہونا کسی طرح متصور نہیں برخلاف اس کے تمام مخلوقاتِ عالم جائز العدم ہے جس کا فنا ہو جانا ممکن بلکہ امر واقع ہے۔

[2] اس تمام تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ وتقدس قدیم واجب الوجود بے چون و بے چگوں ہے، برخلاف اس کے تمام مخلوق حادث ممکن الوجود اور ملوث بہ چون و چگوں ہے۔ اس لئے مخلوق کو عین خالق سمجھنا نہایت بیہودہ اور خلاف عقل و شرع و فطرت ہے۔ اور اس عقیدے کا باطل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

Marfat.com

کو مجہول مطلق[1] کہتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ وہ کسی حکم کی محکوم علیہ نہیں ہو سکتی با ایں ہمہ قرب و احاطۂ ذاتی اور معیّتِ ذاتیہ کا اثبات کرتے ہیں۔ یہ ذاتِ مقدسہ کو محکوم علیہ بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ امرِ حق وہی ہے جس کو علمائے سُنّت نے بیان فرمایا ہے کہ قرب اور احاطہ و معیّت باعتبار وسعتِ علم الٰہی ہے جل سلطانہٗ۔ جس زمانے میں میں توحیدِ وجودی کے مقام میں تھا ان علوم و معارف کے حصول سے مجھے سخت قلق و اضطراب پیدا ہوتا تھا جن کو میں اس مشرب کے خلاف تصور کرتا تھا کیونکہ میرے خیال میں اس مقام سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ اعلیٰ رتبہ نہیں تھا۔ میں نہایت عاجزی اور تضرع کے ساتھ گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا کہ یہ معرفت (توحید وجودی) زائل نہ ہو۔ بالآخر وہ تمام حجاب دور کر دیئے گئے جو چہرۂ حقیقت کا نقاب بنے ہوئے تھے۔ اصل معرفت تک میں پہنچ گیا اور مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ گو یہ عالم اپنے خالق جل و علا کے کمالاتِ صفات کا آئینہ اور اس کے اسماءِ حسنیٰ کے حقائق کا مظہر ہے لیکن اہل توحیدِ وجودی کے مذہب کے مطابق مظہر ہرگز عین ظاہر نہیں اور کسی چیز کے عکس کو اس کا عین کہہ دینا صریحاً غلط ہے۔ اس کی توضیح ایک مثال سے ہو سکتی ہے مثلاً ایک بڑا متبحر اور جامع الکمالات عالم چاہتا ہے کہ اپنے کمالاتِ علمیہ کو تمام عالم پر ظاہر کر دے تو لامحالہ وہ الفاظ ہی کے ذریعے ان کا اظہار کرے گا۔ یہ الفاظ متکلم کی ایجاد ہیں اور

---

[1] اہل منطق و فلسفہ کی اصطلاح میں مجہول مطلق اس مفہوم کو کہتے ہیں جس کے متعلق کسی دوسرے مفہوم کا بوجہٍ من الوجوہ اثبات نہ کیا جائے۔ اس مطلب کو وہ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مجہول مطلق کسی حکم کا محکوم علیہ نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ علم منطق کا ایک مشہور مشکل مسئلہ ہے اور اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ کیا مجہول مطلق ایک فرضی حقیقت ہے یا اس کا مصداق کہیں موجود بھی ہے؟ بہرکیف ابن عربی جو سرحلقۂ ارباب توحید وجودی ہیں ذاتِ حق کو مجہول مطلق کہتے ہیں۔ متن کی عبارت میں امام صاحب نے ان کے اقوال کا تناقض دکھایا ہے۔

Marfat.com

اس کے کمالات علمیہ کا مظہر یا آئینہ ہیں لیکن ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ یہ الفاظ اور کمالات عین ہمدگر ہیں یا ان کے آپس میں قرب و احاطۂ ذاتی یا معیت ذاتیہ کا علاقہ ہے۔ ان کے درمیان اگر کوئی علاقہ ہے تو یہ ہے کہ الفاظ دال ہیں اور کمالات مدلول لیکن اس سے کمالات کے صرافت[1] اطلاق" میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اتحاد یا احاطہ یا معیت کا شبہ محض وہم ہے؛ درحقیقت ان نسبتوں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں۔ اس وہم باطل کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ ان الفاظ و کمالات کے درمیان ظاہر و مظہر اور دال و مدلول کی نسبت موجود ہے بنا برآں یہی نسبت چند عارضی وجوہ سے نسبتہائے مذکورہ کے ایہام کا باعث ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ کمالات ان تمام موہوم نسبتوں سے مبرا ہیں بعینہٖ اسی طرح مسئلہ متنازعہ میں بھی خالق و مخلوق کے درمیان سوائے اس کے کوئی علاقہ نہیں کہ اوّل الذکر ظاہر ہے اور مخلوق اس کا مظہر۔ مخلوق دال ہے اور خالق پاک جل وعلا مدلول۔ عالم کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ وہ وجود صانعِ باکمال کی ایک علامت ہے تعالیٰ و تقدس۔ الغرض بہ تطبیق مثال بالا چونکہ یہ عالم کون و فساد حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے اسمائے حسنےٰ اور صفاتِ علیا کے کمالاتِ مستورہ کا مظہر ہے اس لئے یہی علاقہ اور نسبت چند عارضی وجوہ سے بعض لوگوں کے حق میں نسبتہائے مذکورہ (احاطہ و قرب ذاتی۔ سریان اور معیّت ذاتیہ) کے ایہام کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً مراقبہ ہائے توحید کی کثرت کی وجہ سے انہیں مراقبات[2] کا تصور قوتِ متخیلہ میں

---

[1] صرافت اطلاق سے یہ مراد ہے کہ وہ محض اپنے اطلاق پر ہیں انہیں کسی طرح کا تقید ظہور میں نہیں آیا

[2] اہل تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک خاص امر کو مرکز تفکر قرار دے کر اپنی تمام تر توجہ اس پر صرف کرنے کی کوشش کریں مثلاً الا انہ بکل شیئٍ محیط یا وھو معکم اینما کنتم کا مفہوم پیش نظر رکھ کر اپنی پوری توجہ اس پر مبذول کر کے تفکر کو وسعت دیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احاطہ اور معیتِ ذاتی کا خیال قوتِ متفکرہ میں منقوش ہو کر ہر ایک جگہ پر خارج میں بھی اس کے آثار جلوہ دکھاتے

Marfat.com

منقوش ہو جاتا ہے (جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مظہر عین ظاہر دکھائی دیتا ہے) دوسری صورت یہ ہے کہ توحید وجودی کے مسائل کا تکرار اور توغل کے ساتھ ان مسائل کے مطالعہ میں منہمک ہو جاتا اس شخص منہمک میں احکام توحید وجودی کا ایک گونہ مذاق پیدا کر دیتا ہے لیکن توحید وجودی کی یہ دونوں صورتیں معلول اور ناقص ہیں۔ ان دونوں کو علمی توحید وجودی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حالِ توحید وجودی کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ توحید اور اس کے احکام متعلقہ غلبۂ محبت کی وجہ سے پیدا ہوں۔ محبوبِ حقیقی کی محبت کے غلبے کے باعث غیر محبوب مطلق نظر نہ آئے۔ یہ نہیں کہ غیر محبوب نفس الامر میں بھی موجود نہیں کیوں کہ یہ بات تو عقل۔ شرع اور حِس کے صریح خلاف ہے۔ اسی غلبۂ محبت اور غیر محبوب کے نظر نہ آنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ محبوبِ حقیقی جلّ وعلا کو محیط بالذات اور قریب بالذات سمجھنے لگتا ہے (یعنے احاطہ و قرب ذاتی اور معیت ذاتیہ کا قائل ہوتا ہے) یہ توحید پہلی دو قسموں سے اعلےٰ تر ہے اور گو یہ توحید بھی مطابق واقع اور موافق شریعتِ مطہرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نہیں لیکن پھر بھی دائرہ "حال" میں داخل ہے اور محض علمی نہیں ہے۔ توحید وجودی کو شریعت کے ساتھ موافق بنانے اور مطابق واقع ثابت کرنے کے لئے جس قدر بھی کوشش کی گئی ہے محض تکلف ہی تکلف ہے۔ یہ بیہودہ تاویلیں بالکل اسی طرح کی ہیں جو مسلمان نما فلسفیوں نے فلسفہ کے خلافِ شرع اور باطل اصول کو اصولِ شرعیہ کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے تراشی ہیں کتاب اخوان الصفا اور اسی قسم کی اور

(بقیہ صفحہ ۹۴ سے آگے) لگیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے القول الجمیل مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب یا احیاء علوم کی کتاب المراقبہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

کتابیں ان تکلف آمیز تاویلوں کا ایک نمونہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ کشف والہام کی غلطی بھی اجتہادی[۱] غلطی کی طرح ناقابل مواخذہ ہے بلکہ ایک درجہ اجر وثواب کا بھی حاصل ہوتا ہے۔ ہاں ان دونوں غلطیوں میں ایک نمایاں فرق بھی ہے مجتہدِ شرعی اگر اجتہادی غلطی کر بیٹھے اور دوسرا شخص جو اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتا ایک پیشوا کی حیثیت سے اس کی تقلید کرے تو اس مقلد پر بھی کچھ مواخذہ نہیں لیکن الہام اور کشف کی تقلید کسی طرح درست نہیں اگر خود صاحب کشف والہام کو اس کی غلطی پر مواخذہ نہ ہو اہل کشف کی تقلید بنا بر احتمالِ خطا ہرگز درست نہیں غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید با وجود احتمال خطا کے درست وجائز بلکہ واجب ولازم ہے تعینات کونیہ کے آئینہ میں جو شہود بعض سالکوں کو حاصل ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنی اصطلاح میں "شہود وحدت در کثرت" اور

---

[۱] اگر کوئی عالم باکمال جس کو مجتہد کہتے ہیں اپنی طرف سے حتی المقدور تتبع دلائل شرعیہ کر کے قرآن وحدیث کے مفہوم کی پیروی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے ایسی صورت میں اگر وہ غلطی بھی کرے تو یہ غلطی اس کی قابل مواخذہ نہیں۔ اس کو اجتہادی غلطی کہتے ہیں اور صحیح بخاری ومسلم میں ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ مجتہد جو اجتہاد کر کے قرآن وحدیث کے منشا کے مطابق حکم شرعی کا استنباط کرنے میں کامیاب ہو اس کے لئے دگنا اجر وثواب ہے لیکن اگر اس نے غلطی بھی کی تو وہ ایک درجہ اجر وثواب کا تو ضرور مستحق ہے بشرطیکہ اس نے اپنی طرف سے قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم اخذ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہو۔

[۲] ارباب توحیدِ وجودی کے اصول کے مطابق ذاتِ حق تعالیٰ وتقدس اس وقت میں جبکہ کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی تھی غیر متعین تھی لیکن جب عالم کو پیدا کیا اور اس کی ذات نے مخلوقات کے آئینہ میں مختلف صورتوں سے اپنا جلوہ دکھایا تو وہ متعین ہو گئی۔ ان مخلوقات کو جن کے وجود میں آنے کے باعث ذاتِ حق کو تعین حاصل ہوا تعینات کونیہ کہیں گے۔

Marfat.com

شہود احدیت در کثرت کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ شہود بھی اسی طرح خلافِ واقع اور خلافِ شرع ہے کیونکہ ذاتِ واجب الوجود تعالیٰ جو بیچون و بے چگون ہونے سے موصوف ہے کسی طرح چون و چگون سے موصوف ہونے والی اشیاء میں حلول نہیں کر سکتی۔ لامکانی کو مکان میں قرار پذیر ہونے سے کیسے موصوف کر سکتے ہیں! بیچون و بے چگون کو چون و چگون کے دائرہ سے باہر طلب کرنا چاہیئے اور لامکانی کو مکان کے حدود سے باہر قدم رکھ کر ڈھونڈنا لازم ہے۔ آفاق و انفس[۱] میں جو کچھ بھی نظر آتا ہے یہ سب اس کی قدرتِ کاملہ کے آیاتِ باہرہ ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ و تقدس۔ قطب الاولیاء حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرماتے ہیں: "جو کچھ بھی دیکھا گیا ہے یا سُنا گیا ہے اور جس چیز کی معرفت حاصل ہوئی ہے یہ سب غیر اللہ ہے تعالیٰ و تقدس لہٰذا از بس ضروری ہے کہ حرف لا کے ساتھ ایک دم ان کی نفی کر دینا چاہیئے"[۲]

در تنگنائے صورت معنی چہ گو نہ گنجد — در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد[۳]

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر — کو با جمالِ جاناں پنہاں چہ کار دارد

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اکثر مشائخِ طریقت حتیٰ کہ مشائخ نقشبندیہ سے بھی

---

[۱] اس سے مراد سیر آفاقی اور سیر انفسی کے مشاہدات ہیں جن کا ذکر پہلے کسی ذیلی حاشیہ میں کیا جا چکا ہے [۲] اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمۂ توحید کے پہلے حصہ لا الٰہ سے ہر ایک ایسے شہود کی جس پر غیر اللہ کا اطلاق ہوتا ہے نفی کر کے الا اللہ سے ایک ہی ذات پاک بیچون و بیچگون کا اثبات کرنا چاہیئے۔

[۳] عالمِ صورت کی تنگ گذرگاہوں میں امورِ معنوی کی جو فسحت اور وسعت پہ مبنی ہیں گنجائش نہیں غریبوں کی جھونپڑی میں بادشاہ کا آنا ناممکن ہے۔ جو شخص صورت پرستی میں گرفتار ہے وہ اہلِ باطن نہیں ہو سکتا۔ اس کو محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال باطنی سے کیا سروکار ہے!

Marfat.com

ایسی عبارتیں منقول ہیں جو صریحاً وحدتِ وجود۔ احاطہ وقربِ ذاتی۔ معیت ذاتیہ شہود وحدت در کثرت۔ یا احدیت در کثرت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حال اور شہود ان کو اثنائے سلوک میں حاصل ہوا ہو لیکن بعد میں یہ ... بزرگوار اس مقام سے عروج کر گئے ہوں گے چنانچہ خود مجدد کو بعینہ یہی حالت پیش آئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض بزرگوارانِ طریقت باوجودیکہ ان کا باطن بالکل صرف احدیت کی جانب نگراں رہتا ہے لیکن ان کا ظاہر شہودِ وحدت در کثرت میں مشغول رہتا ہے۔ چنانچہ میرے والدِ بزرگوار اسی قسم کے عارف تھے جس کا ذکر اسی مکتوب کے پہلے حصے میں کیا گیا ہے۔ اس جواب کو اس رسالہ میں زیادہ بسط و تفصیل اور تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کو میں نے مراتبِ وحدتِ وجود کے موضوع پر لکھا ہے، یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ یہ بھی ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب کہ نفس الامر میں وجود کو وحدت حاصل نہیں بلکہ متعدد وجود ہیں۔ قرب واحاطۂ ذاتی خلافِ واقع ہے اور شہودِ وحدت در کثرت بھی مطابق واقع نہیں تو ان بزرگواروں (قائلان توحیدِ وجودی) کے یہ سب احکام جس کا وہ نہایت شد و مد کے ساتھ اثبات کرتے ہیں امر واقع کے خلاف ثابت ہوئے اور اس لئے یہ بزرگوار زمرۂ کاذبین میں شامل کئے جانے کے مستحق ہیں (کذب کی حقیقت اس سے بڑھ کر نہیں کہ ایک قول غیر مطابق واقع ہو) اس کا جواب یہ ہے کہ ان بزرگواروں کے یہ احکام اندازۂ شہود کے موافق ہیں اور مبنی بر شہود ہونے کی وجہ سے ان احکام کو احکامِ کاذبہ نہیں کہہ سکتے گو فی نفسہٖ غیر مطابق واقع کیوں نہ ہوں، مثلاً ایک شخص اپنے شہود کے موافق ایک حکم قطعی کی شکل میں یہ کہہ

Marfat.com

دیتا ہے کہ میں نے آئینہ میں زید کی صورت کو ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھا حالانکہ یہ حکم مطابقِ واقعہ نہیں اور اس نے آئینہ میں زید کی صورت و شکل کو حقیقتاً ہرگز نہیں دیکھا۔ کیونکہ آئینہ میں زید کی صورت نہیں بلکہ اس کا ایک خیالی عکس موجود ہے جیسا کہ ماہران علم المناظر والمرایا سے پوشیدہ نہیں، تو زید کی صورت کا دیکھنا کیسا ؟ الغرض اگرچہ یہ حکم مطابق واقع و نفس الامر نہیں لیکن وہ اپنے شہود کے لحاظ سے ایسا حکم کرنے پر مجبور ہے لہٰذا وہ معذور ہے۔ اس حالت میں اس کو ہرگز کاذب نہیں کہیں گے اور کسی طرح بھی وہ لائقِ ملامت نہیں۔ ان قابلِ اخفا احوال و اسرار کا اظہار کرنے سے مطلب یہ ہے کہ میں اگر وحدتِ وجود کا قائل تھا تو یہ تسلیم و اعتراف کسی کورانہ تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ کشف پر مبنی تھا اور اگر اب انکار ہے تو بھی الہام و کشف پر مبنی ہے۔ گو یہ مسلم ہے کہ کشف و الہام دوسروں کے لئے قابلِ پذیرائی حجت نہیں۔ دوسرا جواب اعتراضِ مندرجہ بالا کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح مختلف انواع و اجناسِ عالم بعض اوصاف کے لحاظ سے آپس میں اشتراک رکھتے ہیں لیکن بعض دوسرے امور کے لحاظ سے ان کے درمیان تباین و امتیاز قائم ہے اسی طرح ممکن الوجود اور واجب الوجود کا مفہوم ہر چند ایک دوسرے سے بالذات مختلف ہے لیکن بعض عارضی امور کے لحاظ سے ان میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے اور اس لئے غلبۂ محبت کی حالت میں وہ مابہ الامتیاز نظر سے محجوب ہو کر صرف مابہ الاشتراک باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے اگر ممکن اور واجب کو عین ہمہ گر سمجھ کر وحدتِ وجود کا حکم کر دیا جائے تو اس کو کذب ہرگز نہیں کہیں گے۔ احاطۂ ذاتی وغیرہ احکام کی بھی اسی کے موافق تاویل کریں ۞

Marfat.com

بارہواں مکتوب (۳۲)

(مرزا حسام الدین کے نام لکھا گیا)

(اس کمال کا بیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام سے مخصوص ہے)

آپ کا عنایت نامہ وصول پایا۔ خداوندِ پاک جلّ وعلا کا شکر ہے کہ آپ نے ہم جیسے دور افتادوں کو بھی فراموش نہیں کیا اور کسی نہ کسی تقریب سے ہمیں یاد کر ہی لیتے ہیں ؏

بارے بہ ہیچ خاطرِ خود شاد میکنم

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت پیر دستگیر خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی "نسبت[1] خاصہ" کی حقیقت دریافت نہیں ہوتی۔ کیا باعث ہے؟ مخدوم من! ایسی باتوں کی شرح وتفصیل بذریعہ تحریر تو کجا بالمشافہ کرنی بھی مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ کوئی کیا سمجھے اور کیا بہرہ حاصل کرے۔ اس قسم کے معارف وحقائق حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پیرِ طریقت کی خدمت میں حسنِ ظن کے ساتھ حاضر ہو یا جس طرح بن پڑے ایک طویل مدت تک اس کی صحبت میں رہے، اس کے بغیر گوہرِ مقصود کا ملنا سخت دشوار ہے ؎

پاکیزہ[2] شبے باید وخوش مہتابے تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

---

[1] نسبت کا مفہوم پہلے بیان کیا جا چکا ہے نسبت خاصہ سے وہ مخصوص نسبت مراد ہے۔ جو حضرت خواجہ کو حاصل تھی کیونکہ ہر ایک عارف کی نسبت جداگانہ ہوا کرتی ہے

[2] ایک پاکیزہ فرحت بخش رات ہو اور چاندنی کی خوشنما چادر صفحۂ عالم پر بچھی ہوئی ہو تب میں تم سے ہر ایک قسم کی باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالوں۔

لیکن چونکہ آپ نے استفسار کیا ہے اس لئے بحکم ضرورت مختصر جواب لکھا جاتا ہے۔ ہر ایک مقام کے علوم و معارف جداگانہ ہیں۔ اسی طرح احوال اور مواجید[1] بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ایک مقام میں ذکر اور توجہ کا شغل مناسب ہے تو دوسرے میں تلاوت قرآن اور نماز کی کثرت سے کشودِ کار ممکن ہے۔ علیٰ ہذا ایک مقام جذبہ (سیر انفسی) کے ساتھ مخصوص ہے تو دوسرا سلوک (سیر آفاقی) کے مناسب حال ہے لیکن تیسرا ایسا بھی ایک مقام ہے جس میں جذبہ و سلوک دونوں کا امتزاج ہے۔ ایک مقام ان تینوں سے الگ ہے، نہ اس کو جذبہ سے تعلق ہے نہ سلوک سے علاقہ۔ یہ مقام نہایت اعلےٰ اور عزیز الوجود ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ کرام کو اسی مقام کی دولتِ کبریٰ سے مشرف کیا گیا تھا۔ جس کو یہ مقام نصیب ہوا اس کو دیگر اربابِ مقامات سے امتیازِ تمام حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام پر فائز ہونے والے افراد آپس میں بہت کم مشابہ ہوتے ہیں لیکن دوسرے مقامات والوں میں ضرور مشابہت پائی جاتی ہے گو وہ مشابہت کلی نہ ہو۔ اصحاب کرام کا زمانِ فیض نشان گذر جانے کے بعد یہ نسبتِ عالیہ حضرت امام مہدی علیہ السلام میں کامل ترین صورت میں ظہور پذیر ہوگی۔ اس مقام کے نفسِ وجود کے متعلق بھی بہت کم مشائخ نے لب کشائی کی ہے چہ جائیکہ اس مقام کے علوم و معارف بیان کئے ہوں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ اصحاب کرام کو یہ عزیز الوجود نسبت پہلے قدم پر حاصل ہو کر بتدریج

---

[1] مواجید جمع وجدان کی ہے علیٰ خلاف القیاس۔ احوال سے بھی اصطلاحی احوال مراد ہیں کسی خاص مقام یا حال میں جو مخصوص کیفیت ادراک ہوتی ہے اس کو وجدان کہتے ہیں۔ احوال و مواجید کی زیادہ تشریح لفظوں میں نہیں ہو سکتی کیونکہ تصوّف کے تمام تر امور اس قسم کے ہیں جن کی حقیقت عبارت میں اچھی طرح ظاہر نہیں کیجا سکتی۔ تصوّف کا زیادہ تر تعلق قال سے نہیں بلکہ حال سے ہے ع
لذت می نشناسی بخدا تا نہ چشی

Marfat.com

معراج کمال پر صعود نصیب ہوتا۔ برخلاف اس کے کسی دوسرے کو یہ سعادت عظمے حاصل ہونے کی یہ صورت ہے کہ اصحاب کرام کی نسبتِ عالیہ کے طرز پر اس کی تربیت کی جاتی ہے اور جب وہ منازل جذبہ اور مراحلِ سلوک کے طے کر لیتا ہے اور ان کے علوم و معارف سے بخوبی لذت آشنا ہو جاتا ہے تب وہ اس سعادتِ عظمے سے مشرف کیا جاتا ہے۔ اول ابتدائے سلوک میں اس نسبتِ عالیہ کا حاصل ہونا گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتِ صحبت کا مخصوص نتیجہ ہے لیکن ممکن ہے کہ ان کی امتِ کریمہ میں بھی کوئی ایسا مردِ کامل پیدا ہو جائے جس کی صحبت میں بھی یہ اثر ہو کہ سلوک کے آغاز ہی میں یہ نسبت ظہور پذیر ہو ؎

فیضِ[1] روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آں چہ مسیحا میکرد

اس وقت اس نسبت میں بھی اندراج النہایۃ فی البدایۃ کا مفہوم متحقق ہوتا ہے جیسے کہ اس صورت میں متحقق ہوتا ہے جبکہ جذبہ سلوک پر مقدم ہو اس سے زیادہ کہنے کی گنجائش نہیں ؎

ومِن[3] بعدِ ھٰذا ما یدقُ صِفاتُہٗ وما کتمہٗ احظٰی لدیَّ واَجمَلُ

کسی وقت اگر ملاقات میسر ہوئی اور معلوم ہوا کہ سامعین طریق احسن پر سننے کے لئے آمادہ ہیں تو اس مقام کے متعلق کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائیگا انشاء اللہ تعالٰے وہو سبحانہ الموفق۔

بعض دوستوں کے بارے میں آپ نے سفارش لکھی ہے۔ میں نے ان کی غلطیاں

---

[1] اگر روح القدس (جبرئیل ع) کا فیض اعانت فرمائے تو کچھ تعجب نہیں کہ دوسرے لوگ بھی وہ اعجاز دکھانے لگیں جو حضرت مسیح دکھاتے تھے [2] لفظی معنے (انتہا کو ابتدا میں درج کر دینا یعنے ابتدا میں وہی کمال حاصل ہوتا جو دوسروں کو انتہائے سلوک میں میسر ہوتا ہے [3] (ترجمہ) اس کے بعد وہ باتیں پیش آتی ہیں جن کو عبارت میں بیان کرنا دشوار ہے اور جس کو چھپائے رکھنا میرے نزدیک بہت مناسب اور احسن ہے۔

Marfat.com

معاف کر دی ہیں۔ خداوند جل و علا ارحم الراحمین ہے وہ بھی ان کو اپنی بخشش سے بہرہ ور فرمائے۔ لیکن ان کو پند و نصائح کے ذریعے فہمائش فرمائیں کہ خواہ وہ حاضر ہوں .... یا غائب کسی حالت میں بھی درپئے ایذا نہ ہوں اور اپنی وضع ہرگز نہ بدلیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔ (خداوندِ پاک جل و علا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جبتک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں اور جب خداوندِ پاک جل و علا کسی قوم پر مصیبت نازل کرنا چاہتا ہے تو کوئی بھی اس کو نہیں ہٹا سکتا۔ اور سوائے خداوندِ پاک جل و علا کے کوئی بھی ان کی اعانت و دستگیری نہیں کر سکتا) آپ نے میاں شیخ الہداد کے بارے میں بالخصوص لکھا تھا۔ مجھے اس بارے میں کچھ بھی تشدد نہیں لیکن بہر حال ان کو چاہیے کہ اپنی تغیرِ وضع پر اظہارِ ندامت کریں اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ (اظہارِ ندامت کرنا ہی توبہ ہے) وسیلہ تلاش کرنا اور سفارش کرانا ندامت کا ثبوت ہے۔ بہرکیف میں اپنی طرف سے عفو اور درگذر کے مقام میں ہوں۔ دوسری طرف سر رشتۂ اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سرہند کو اپنا گھر خیال فرمائیں۔ محبت کا زیرِ دست تعلق اور ہم پیر ہونے کا مضبوط و مستحکم رابطہ اس قسم کا نہیں کہ عارضی باتوں سے زائل ہو سکے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ مکتوب لکھ چکنے کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ جن احباب کی بابت آپ نے سفارش کی ہے ان کے متعلق کسی قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھوں۔ مجمل لکھنے سے ممکن ہے بات کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں نہ آ سکے۔

Marfat.com

مخدوم من! معافی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ اپنے رویّے کو قبیح و مذموم خیال کریں اور جو حرکات ناشائستہ ان سے سرزد ہوئے ہیں ان پر نادم ہوں نہیں تو معاف کرنا محال ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کی شہادت کے مطابق حضرت پیر دستگیر قدس سرہٗ نے یہ منصب[1] شیخ الہداد کو تفویض فرمایا تھا، یہ بات تفصیل طلب ہے۔ اگر تفویضِ منصب سے یہ مطلب ہے کہ درویشوں اور دوسرے آنے جانے والوں کی خدمت کیا کرے اور لوگوں کے کھانے پینے کا اہتمام رکھے تب تو بے شک مسلّم ہے لیکن اگر تفویضِ منصب کے یہ معنے ہیں کہ وہ طالبانِ حق کی روحانی تربیت کرے اور شیخ الطریقت کہلائے تو میں ہرگز تسلیم و اعتراف کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ پہلی مرتبہ جب میری ملاقات حضرت پیر دستگیر قدس سرہٗ سے ہوئی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ تم یہ تجویز کرو کہ شیخ الہداد ہماری طرف سے جا کر بعض طالبانِ حق کو اشغالِ[2] طریقت بتائیں اور ان کے احوال سے ہمیں مطلع کیا کریں کہ ہم خود اس قدر تکلیف کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کہ

---

[1] "یہ منصب" اشارہ منصبِ خلافت اور تلقین و ارشاد کی طرف ہے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ شیخ الہداد نے مریدوں کو تلقین کرنا اور دوسرے امورِ متعلق خلافت کو عمل میں لانا شروع کیا تھا جس پر امام صاحب نے اعتراض کیا اور تنفر و ناراضگی تک نوبت پہنچ گئی۔ شیخ الہداد اور اس کے ہمخیالوں نے امام صاحب کو برا بھلا کہا اس مکتوب میں انہی باتوں کا ذکر ہے [2] اشغال جمع شغل کی ہے۔ اصل معنی مطلق مصروفیت کے ہیں لیکن اہلِ تصوّف کی اصطلاح میں اشغال سے ذکرِ الٰہی کے وہ مختلف طریقے مراد ہوتے ہیں جو وہ اپنے اپنے اصول کے مطابق طالبانِ راہِ حق کو یکے بعد دیگرے تلقین فرماتے ہیں۔ مراقبہ وغیرہ بھی اسی مفہوم میں داخل ہے علیٰ ہذا احوال سے بھی اصطلاحی احوال مراد ہے عام کیفیت مراد نہیں۔

Marfat.com

انہیں اپنے حضور میں طلب کریں۔ ان کو اشغالِ طریقت کی تلقین کریں اور ان کے احوال پوچھا کریں۔ مجھے تو اس تجویز کے ساتھ اس وقت بھی اتفاق کرنے میں تامل تھا لیکن بحکم ضرورت میں نے رضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کی تبلیغ کو خلافت سے کچھ تعلق نہیں، ایسا شخص سفیر محض ہوتا ہے خصوصاً جب اس کی بنا ضرورت پر ہوا اور صاف ظاہر ہے کہ جس چیز کی بنا ضرورت پر ہے اس ضرورت کے زائل ہونے پر وہ چیز کسی مصرف کی نہیں رہے گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شیخ الہداد کی سفارت حضرت پیر دستگیر قدس سرہ کے زمانۂ حیات تک محدود ہو۔ اُن کا ارتحال ہو جانے کے بعد اشغالِ طریقت کی تلقین کرتے رہنا اور طالبانِ راہِ حق کی خبر گیری کرنا خیانت ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ حضرت پیر دستگیر قدس سرہ کی نسبت قائم رہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔

مخدوم من! ہر ایک علم و فن کی تکمیل تلاحقِ افکار[1] کا نتیجہ ہے۔ علم نحو کو جس صورت میں سیبویہ نے وضع کیا تھا متاخرین نے اس کو دس گنا ترقی پر پہنچا دیا ہے۔ کسی فن کا اس ابتدائی حالت میں رہنا نقصِ محض ہے۔ جو نسبت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو حاصل ہوئی وہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے زمانہ میں ابھی معرضِ ظہور میں بھی نہیں آئی تھی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ مزید برآں

---

[1] تلاحقِ افکار کا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص کے فکر سے دوسرے کا فکر مل کر کسی بات کی تکمیل میں ایک دوسرے کے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثل مشہور ہے تکمیل الصناعات بتلاحق الافکار یعنے تمام علوم و فنون کا درجۂ کمال تک پہنچنا تلاحقِ افکار کا نتیجہ ہے۔ پہلے ایک شخص کسی فن کے چند اصول دریافت کر کے اس کی بنیاد ڈالتا ہے پھر دوسرے اہلِ فن اس کے اصول کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی تحقیقات اس پر اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہوتے ہوتے وہ فن ایک نہایت

Marfat.com

حضرت پیر دستگیر قدس سرہٗ خود تکمیلِ نسبت کی فکر میں تھے اور اس کو کامل نہیں تصوّر کرتے تھے۔ اگر کچھ دنوں تک اور زندہ رہتے تو معلوم نہیں خداوند پاک جل و علا کے حکم و ارادہ سے اس نسبت کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتے۔ الغرض یہ کوشش کرنا مناسب نہیں کہ اس میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ علاوہ ازیں میں نہیں سمجھتا کہ یہ نسبت بعینہٖ اصلی صورت میں کس طرح قائم رہ سکتی ہے۔ حالانکہ خود آپ کی نسبت بھی اس نسبت سے بالکل مختلف ہے اور یہ بات کئی دفعہ حضرت پیر دستگیر قدس سرہٗ کے حضور میں تشخیص ہو چکی ہے۔ شیخ الہداد بیچارے کو کیا معلوم کہ نسبت کی کیا حقیقت ہے البتہ ایک خفیف سا حضورِ دل اس کو حاصل ہوا تھا جس کو وہ تصوّف کی تمام کائنات سمجھتا رہا۔ دوسرے لوگوں کو بھی یہ حال بخوبی معلوم ہے۔ یہ بتائیں کہ اس نسبت کا "قائم رکھنے والا کون ہے کہ میں بھی اس کا ہاتھ بٹاؤں؟ واقعاتؑ پر کچھ بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے ان کی بنا محض تخیل پر ہے اور حقائق سے کوسوں دور ہیں۔ شیطان ایک بڑا طاقتور دشمن ہے جس کے دامِ فریب سے محفوظ رہنا نہایت دشوار ہے۔ ہاں خداوند پاک جل و علا کی عصمت و توفیق شاملِ حال ہو تو یہ اور بات ہے آپ نے حاصل شدہ نسبتوں کے زائل ہو جانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) طویل الذیل مضمون کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کے ہر ایک پہلو پر کافی روشنی پڑتی جاتی ہے اس کے اصول و فروع مرتب ہو کر تمام باتوں کی تحقیق ہو جاتی ہے اور وہ فن تدریج کے ساتھ درجۂ کمال تک پہنچتا ہے۔ یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ کوئی علم یا فن ابتداہی سے درجۂ کمال میں ظہور میں آئے اور اسمیں کسی طرح کی کمی بیشی یا تحقیق کی گنجائش نہ ہو۔ امام صاحب تصوّف اور کسبِ طریقت کو بھی اسی ذیل میں لینا چاہتے ہیں اور اس کو بھی اس عام قاعدے سے مستثنا نہیں [illegible] جو اس مکتوب میں جابجا مذکور ہے اس سے وہی اہل تصوّف کی اصطلاحی نسبت [illegible] یہ نکتہ یاد رکھیں کہ مکتوبات شریف میں عموماً اس قسم کے الفاظ مثلاً احوال [illegible] نسبت وغیرہ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ [1] واقعات جمع واقعہ کی [illegible] حاشیہ میں بتا دیئے گئے ہیں۔

کے بارہ میں لکھا تھا۔

مخدوم من! جیسے کہ بالمشافہ ذکر ہوا تھا یہ سلب نسبت ارادۃً نہیں تھا اب بھی وہی حالت ہے جس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ یہ خیال کرنا محض توہم ہے کہ اب وہ سالب نسبت کی حالت نہیں رہی۔ جو آواز دل سے سنائی دیتی ہے اس کو اس حالت سے کچھ تعلق نہیں جب دھکتے کوئلے کو پانی کے چھینٹے ڈال کر بجھا دیا جاتا ہے اس وقت بھی اس سے سنسنی کی آواز سنائی دیتی ہے جو اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ اس میں ابھی تک آگ موجود ہے۔ الغرض وقائع پر کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اس بات کے تسلیم کرنے میں آج آپ کو تامل ہے تو ذرا اور صبر کیجئے کل کو انشاءاللہ تعالیٰ اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا۔ چونکہ آپ نے نہایت تاکید کے ساتھ لکھا تھا بحکم ضرورت جواباً کچھ نہ کچھ لکھ دیا گیا ورنہ بے تقریب کچھ کہنا مشکل ہے۔

Marfat.com

تیرھواں مکتوب (۱۳)

(ملا حاجی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا)

(دنیا طلب عالموں کی مذمت۔ علمائے آخرت کی مدح و تعریف)

دنیائے دوں کے ساتھ محبت رکھنا اور اس میں راغب ہونا علمائے دین کے چہرۂ حسن و جمال پر ایک نہایت بدنما دھبہ ہے۔ اگرچہ دوسرے لوگوں کو ان کی ذات سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کے اپنے حق میں ان کا علم کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوا اور گو ان کے وجود سے دین اور شریعت کی اشاعت و تقویت منظور ہے لیکن یہ بات خود ان کے لئے موجب حصولِ شرف نہیں۔ شریعت غرّا کی تقویت اہل فسق و فجور کے نفوسِ خبیثہ سے بھی منظور ہے۔ چنانچہ سید الانبیاء آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقعہ پر ایک فاجر مرد کے حق میں فرمایا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (ضرور خداوند پاک جلّ وعلا بعض اوقات ایک مردِ فاجر سے بھی تقویت دین کا کام لے لیتا ہے) ان عالمانِ بے عمل کی مثال سنگِ پارس کی ہے جو لوہے اور تانبے کو تو اپنے اتصال سے زرِ سرخ کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے مگر بذات خود اس کی وقعت ایک پتھر سے زیادہ نہیں مثلاً یہ آگ جو پتھروں اور بانسوں میں قدرت نے ودیعت کر رکھی ہے کہ ایک دنیا اس سے مستفید ہوتی ہے لیکن خود پتھر اور بانس کو اس کی خبر تک نہیں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ علم ان کے اپنے حق میں نافع ہونا تو درکنار اتمامِ حجت کی وجہ سے اور بھی سخت مضرّت رساں ہوا۔ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَّمْ یَنْفَعْہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ (قیامت

Marfat.com

کے دن اس عالم کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائیگا جو اپنے علم سے مستفید نہیں ہوا۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس قسم کا علم مضرت نہ ثابت ہو۔ علم جیسے شریف جوہر کو جو خداوند پاک جل وعلا کے نزدیک ایک عزیز ترین مایہ اور اشرف موجودات ہے۔ مال وجاہ اور ریاستِ دُنیاوی کا ذریعہ قرار دینا جو خداوندِ پاک جل وعلا کے ہاں نہایت حقیر وذلیل اور بدترین مخلوقات ہے اور جو چیز خداوندِ پاک جل وعلا کے نزدیک عزیز ہے اس کو ذلیل کرکے جس چیز کو خداوندِ پاک جل وعلا نے ذلیل قرار دیا ہے اس کو عزیز بنانا کتنی قبیح اور مذموم بات ہے! درحقیقت یہ خداوندِ پاک جل وعلا کے ساتھ معارضہ کرنا اور اس کے احکام کو الٹنا ہے جس سے بڑھ کر کوئی جرم اور بغاوت نہیں، تدریسِ علوم اور بیانِ احکام شرعیہ اس وقت مفید ہے کہ اس میں خالص خوشنودیٔ الٰہی تعالےٰ وتقدس نصب العین اور مطمحِ نظر ہو۔ جاہ وریاستِ دنیاوی کی محبّت اور حصولِ مال ورفعت کی رغبت سے نیت صاف ہو۔ اس خلوص کی ... علامت یہ ہے کہ دنیا ومافیہا سے دل سرد ہو جائے۔ جو علماء دنیائے دوں کی محبت میں مبتلا ہیں وہ محققین کے نزدیک علمائے دنیا کہلاتے ہیں۔ انہی لوگوں کو علمائے سُوء کہتے ہیں اور یہی جماعت بدترین نوعِ انسان اور رہزنانِ دین اسلام ہیں۔ گو وہ اپنے تئیں مقتدا و پیشوائے دین اور بہترین نوعِ انسان کیوں نہ سمجھیں۔ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۔ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِکْرَ اللّٰهِ ۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (سیپارہ ۲۸ سورۂ مجادلہ رکوع ۳) (وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہوشیار ہو جاؤ ضرور یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ شیطان نے ان پر غلبہ پاکران کو

Marfat.com

خدا کی یاد سے برگشتہ کر دیا ہے، یہی لوگ شیطان کا گروہ ہے۔ یہ یاد رکھیئے کہ شیطان ہی کا گروہ گھاٹے میں رہیگا، ایک بزرگوار نے مکاشفہ کی حالت میں شیطان ملعون کو دیکھا کہ لوگوں کے اغوا و تذلیل سے بے فکر ہو کر فارغ البال بیٹھا ہے۔ وجہ فراغت کے استفسار کرنے پر شیطان نے جواب دیا کہ اس زمانے کے علمائے دنیا طلب نے (علمائے سوء) میرا خوب ہاتھ بٹایا اور یہی میری فراغت کا باعث ہے۔ سچ پوچھیں تو جس قدر بھی امور شرعیہ میں سستی اور کمزوری ظہور میں آئی ہے اور جس قدر بھی دین و ملت کی ترویج میں فتور واقع ہوا ہے یہ سب کچھ علمائے سوء کی شرارت اور انہی کے فسادِ نیت کا نتیجہ ہے۔ بے شک جن علمائے کرام کو دنیائے دوں سے رغبت نہیں۔ جو محبت جاہ و ریاست کے دلدادہ و مفتون نہیں۔ جن کو حصولِ مال و رفعت کی ذرہ بھی پروا نہیں وہ علمائے آخرت ہیں۔ یہی لوگ وارثانِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہی جماعت بہترینِ خلائق اور بنی نوعِ انسان کا زبدہ ہے، یہی لوگ ہیں جن کی سیاہی کو کل قیامت کے دن شہدائے فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ ایک ہی میزان میں رکھ کر وزن کیا جائیگا لیکن پھر بھی ان کی سیاہی کا پلڑا بھاری رہے گا نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ (علمائے کرام کی نیند بھی عبادت میں داخل ہے) انہی کے حق میں وارد ہے یہی حقیقت شناس تو ہیں جن کی چشم بصیرت نے آخرت کے حسن و جمال کو بخوبی ادراک کر لیا ہے۔ دنیا کی قبح اور شناعت کو انہوں نے اچھی طرح مشاہدہ کر لیا ہے۔ اوّل الذکر کو انہوں نے باقی اور لازوال پایا۔ لیکن موخّر الذکر کا بے ثبات اور فانی ہونا ان پر ثابت ہوا اس لئے باقی کو فانی پر ترجیح دی اور اس کے لئے اپنے تئیں وقف کیا۔ آخرت کی عظمت دل میں بیٹھ

Marfat.com

جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ خدائے لایزال کی عظمت و جلال کا نقشہ آنکھوں میں سمایا ہوا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا و ما فیہا کو تحقیر اور ذلّت کی نظروں سے دیکھے۔ دنیا اور آخرت کی مثال دو بیویوں کی ہے ایک کی طرف راغب ہونا دوسری بیوی کے لئے موجب برافروختگی ہے۔ اگر کسی شخص کے نزدیک دنیا عزیز ہے تو یقیناً آخرت کو وہ ذلیل سمجھتا ہو گا۔ برعکس اس کے کہ اگر دنیا کو وہ ذلیل و حقیر خیال کرتا ہے تو اس کے دل میں آخرت کی عظمت اور وقعت ضرور ہو گی۔ لیکن دونوں کو عزیز رکھنا جمع بین الضدین کی قسم سے ہے ؎

ہم[1] خدا خواہی و ہم دنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

بیشک بعض مشائخ اور بزرگانِ دین جنہوں نے اپنے اختیار اور ارادے کو بالکل چھوڑ کر تمام امور میں اپنے تئیں ارادہ و رضائے الٰہی تعالیٰ و تقدس کے تابع کر دیا ہے بعض اوقات نباتِ حقّانیہ سے تحریک پا کر بظاہر اہلِ دُنیا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ایک ظاہر بین کو ان پر مائل بہ دنیا ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن درحقیقت ان کے دل غیر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے تعلق سے بالکل آزاد ہیں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ یہ وہ لوگ ہیں

---

[1] تو خدا کو بھی چاہتا ہے اور کمینہ دنیا سے بھی محبت رکھتا ہے۔ یہ خیال محال ہے، اور ایک قسم کی دیوانگی ہے۔

Marfat.com

جن کو تجارت کا کاروبار اور معاملات خرید و فروخت یادِ خدا جل و علا سے مانع نہیں اور عین تعلق کی حالت میں بھی ان کا باطن محض بے تعلق ہوتا ہے ۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے منٰیؔ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جس نے تقریباً پچاس ہزار دینار کا بیوپار کر رکھا تھا۔ لیکن ایک لحظہ بھی اس کا دل یادِ الٰہی جل و علا سے غافل نہیں رہا ۔

---

[1] منٰی ایک مقام کا نام ہے جو مکّہ معظمہ کے قریب تین میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں حاجی لوگ قربانی کرتے ہیں ۔

Marfat.com

چودہواں مکتوب

(ملا حاجی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا)

(عالمِ امر کے جواہرِ خمسہ کا مشرّح و مفصل بیان)

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ دونوں جہانوں کی سعادت سیّد الکونین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعتِ کاملہ پر منحصر ہے۔ جس فلسفی کی چشم بصیرت کو سرمۂ متابعتِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے نورِ معرفت حاصل نہیں ہُوا وہ اپنی کوتہ نظری کی بدولت عالمِ امر کی حقیقت ادراک کرنے سے بھی قاصر ہے چہ جائیکہ واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی بارگاہِ عظمت میں باریاب ہو سکے۔ اس کی نظر عالمِ خلق کی کائنات دیکھنے تک محدود ہے اور لطف یہ کہ عالمِ خلق کے متعلق بھی اس کی معرفت ناقص واقع ہوئی ہے۔ جواہرِ خمسہ جن کا بیان فلاسفہ نے کیا ہے سب کے سب عالمِ خلق میں داخل ہیں۔ نفس ناطقہ اور عقل کو مجردات سے سمجھنا نقصِ معرفت پر مبنی ہے نفس ناطقہ ہی نفس امّارہ ہے جس کو اصلاح اور تزکیہ کی سخت ضرورت ہے، وہ بالطبع پست ہمت اور امورِ رذیلہ کی طرف مائل ہے، عالم امر سے اس کو ہرگز تعلق نہیں اور کسی طرح بھی اس کو مجردات میں شمار کرنا صحیح نہیں عقل کی یہ کیفیت ہے کہ وہ صرف ان معقولات کا ادراک کر سکتی ہے جن کو کسی نہ کسی طرح محسوسات سے گونہ مناسبت اور

لہ جیسے کہ ہم پہلے کسی ذیلی حاشیہ میں لکھ چکے ہیں کائنات کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں (۱) جو حواس خمسہ کے دائرہ اور ادراک سے خارج ہیں منجملہ ان کے روح اور ملائکہ ہیں (۲) جن کا ادراک انہی حواس خمسہ ظاہری سے ہوتا ہے۔ حیوانات، نباتات، سورج چاند وغیرہ اشیا اسی قسم سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کی اشیا مادہ سے مبرا ہیں اس لئے ان کو مجردات اور مؤخر الذکر کو مادیات کہتے ہیں

مشابہت ہو اور حکماً دائرہ محسوسات میں داخل ہوں لیکن جن امور کی شبیہ اور مثال مشاہدات اور محسوسات میں موجود نہیں عقل اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہے اور وہی چیز اس کے حق میں معمائے لاینحل ہو جاتی ہے۔ اس لئے عقل انسان امور بے چون و بے چگون کے ادراک سے بالکل عاجز ہے اور غیب محض "اشیا" اس کی تیز بین نظروں سے محجوب رہتی ہیں۔ یہ اس بات کی ایک پختہ علامت ہے کہ وہ عالم امر سے نہیں۔ عالم امر سراسر بیچوں و بے چگوں ہے۔ عالمِ امر کی ابتدا قلب سے ہوتی ہے اس سے بھی بالاتر بالترتیب روح، سرؔ، خفی اور اخفٰی کا مرتبہ ہے۔ یہ پانچوں لطائف[۲] انسانی "عالمِ امر" سے ہیں اور درحقیقت انہی کو جواہرِ خمسہ کہنا بجا و زیبا ہے۔ یہی تو ان لوگوں کی کوتہ نظری ہے کہ چند خزف پاروں کو جواہرِ بیش بہا خیال کئے ہوئے ہیں۔ عالمِ امر کے جواہر خمسہ کے حقائق ادراک کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل پیروں کی خصوصیت ہے۔ چونکہ اہلِ معرفت کے ہاں یہ ایک مسلم بات ہے کہ انسان عالمِ صغیر[۳] ہے جس میں عالم کبیر کی ہر ایک

(بقیہ صفحہ ۱۱۳ سے آگے) حکما اور فلاسفہ نے اسی لحاظ سے عالم کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ عالم مادیات اور عالم مجردات لیکن اہل تصوف و عرفان اول الذکر کو عالم شہادت، عالم جسمانیات، عالم ملک اور عالم خلق کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں اور دوسرے کو عالم غیب، عالم روحانیات، عالم ملکوت اور عالم امر کہتے ہیں امام ربانی کا مطلب ہے کہ اگرچہ فلاسفہ نے ان دونوں عالموں کا اثبات کیا ہے اور یہ اثبات اجمالی طور پر بالکل درست ہے لیکن دونوں کے متعلق ان کی تفصیلی معرفت بہت کچھ ناقص ثابت ہوئی ہے ۲؎ حکما یونان کے ہاں جواہر خمسہ یہ ہیں: ہیولے، صورت (نوعیہ یا جسمیہ) جسم، نفسِ ناطقہ، عقل ان جواہر کی تعریف اور تشریح یونانی فلسفہ میں موجود ہے یہاں اس قدر بسط و تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ یونان کے حکما نفس اور عقل کو مجردات سے سمجھتے ہیں جس پر امام صاحب کو اعتراض ہے۔ انسان کے باطن میں جو پانچ جواہر عالم امر کے موجود ہیں ان کو لطائف خمسہ یا لطائف انسانی کہتے ہیں ۳؎ عالم صغیر کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام عالم کے بڑے بڑے مختلف انواع و اقسام کا نمونہ اس میں موجود ہے اور اس لئے حضرت انسان بھی گویا بجائے خود ایک عالم ہے۔

Marfat.com

چیز کا نمونہ ودیعت رکھا گیا ہے اس بنا پر ان جواہر خمسہ کے انسان میں موجود ہونے سے یہ استدلال کرنا بالکل درست ہے کہ عالم کبیر میں بھی انہی جواہر کی اصل موجود ہو، چنانچہ عالم کبیر کے جواہر خمسہ کا پہلا جوہر عرش مجید ہے جیسے کہ عالم صغیر (انسان) میں پہلا جوہر قلب ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے قلب کو عرش الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ باقی جواہر چہارگانہ عرش مجید سے بھی بالاتر واقع ہوئے ہیں۔ بعینہٖ جس طرح قلب انسانی عالم صغیر (وجود انسان) میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان بطور برزخ[1] واقع ہوا ہے اسی طرح عالم کبیر میں عرش مجید عالم خلق اور عالم امر کا برزخ ہے۔ قلب اور عرش اگرچہ عالم خلق میں نمودار ہوئے ہیں لیکن پھر بھی وہ عالم امر میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں اور بے چون وبے چگون ہونے کی صفت سے معرا نہیں ان جواہر خمسہ کی کنہ حقیقت تک انہی کاملانِ طریقت کو رسائی حاصل ہوتی ہے جنہوں نے منازل درمراتب سلوک کو تفصیل وار طے کر لیا ہے اور سب سے آگے گذر کر نہایت النہایات تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ ہر ایک ناقص وخام کا کام نہیں سہ

ہر گدائے مرد[2] میداں کے شود   پشۂ آخر سلیماں کے شود

اگر خداوند پاک جل وعلا کا فضل عظیم کسی بلند اقبال عارف کی چشم بصیرت کو کھول دے اور اپنی لباط کے موافق "مرتبۂ وجوب[3] کے تفصیلی حقائق اس کے باطن میں جلوہ گر

---

[1] برزخ اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل اور دونوں سے مشابہت رکھتی ہو۔ چنانچہ غضروف دکری ہڈی، گوشت اور اصل ہڈی کے درمیان بطور برزخ واقع ہوتی ہے انہیں کو دونوں سے مناسبت حاصل ہے۔ عام طور پر انسان جس حالت میں موت کے بعد قیامت تک رہتا ہے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے اس حالت میں نہ تو وہ دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں بلکہ ایک درمیانی حالت میں ہوتا ہے جس کو فی الجملہ دونوں حالتوں سے مشابہت ہے۔

[2] ہر ایک گدا کب مرد میدان بن سکتا ہے۔ بھلا آخر یہ کب ممکن ہے کہ مچھر کو سلیمان علیہ السلام ایسے ذی شان باشوکت فرمان روا کا درجہ حاصل ہو [3] مرتبہ وجوب سے ہمیشہ ذات وصفات الٰہی تعالیٰ وتقدس مراد لئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

کھول تو اسے معلوم ہو جائے کہ وہاں ان جواہر کے اصل الاصول موجود ہیں اور عالمِ صغیر و کبیر کے جواہر ان جواہرِ حقیقیہ کے مقابلہ میں عکوس و ظلال کہلانے کے قابل ہیں ؎

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

(یہ سعادت کا کام ہے نہ معلوم کون اس سے بہرہ ور ہو) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ عالمِ امر کے حقائق کا اظہار کرنے میں سب سے بڑی یہ مشکل حائل ہے کہ یہ علوم و معارف نہایت دقیق اور عسیر الفہم ہیں۔ نہ معلوم کوتہ نظر اور ناحقیقت شناس ان کو کن معانی پر محمول کریں گے۔ یہ معارف علمائے راسخین سے مخصوص ہیں۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا[1] ؎ هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا ۝

مصلحت[2] نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

والسلام علیکم وعلیٰ من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ثانیاً دل میں القاء ہوا کہ ان جواہر مقدسہ علیا (جو عالمِ امر کے اصل الاصول ہیں) کا بھی کسی قدر حال بیان کر دوں۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان جواہر کی ابتدا صفاتِ اضافیہ[3] سے ہوتی ہے جو "مرتبۂ وجوب" اور مرتبۂ امکان" کے درمیان بمنزلہ برزخ کے

---

[1] نہیں جو کچھ بھی علم دیا گیا ہے وہ علم الٰہی کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے

صاحبانِ نعمت کو ان کی نعمت مبارک ہو [2] یہ مصلحت وقت نہیں کہ راز کی بات طشت از بام ہو جائے ورنہ کونسی خبر ہے جس کی ماہیت مٹے نوشوں کی مجلس میں معلوم نہیں۔

[3] علم کلام میں مفصل بیان کیا گیا ہے کہ حق جل وعلا کی صفات مقدسہ کی دو قسمیں ہیں (۱) صفات ذاتیہ یا حقیقیہ (۲) صفات اضافیہ۔ جن صفات کو مخلوق سے تعلق ہے اور جن کا ظہور مخلوق کے وجود پر موقوف ہے جیسے احیا و امانت رزق و شفا وغیرہ ان کو صفات اضافیہ کہتے ہیں کیوں کہ ان کی اضافت یعنی نسبت مخلوق کی طرف ہوتی ہے۔ صفاتِ ذاتیہ حسب ذیل ہیں۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، صفتِ تکوین (ایجاد کے ذاتی یا اضافی ہونے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اس کا صفت ذاتیہ ہونا راجح ہے اور اسی لئے عموماً اپنے مکتوبات میں صفات ذاتیہ مذکورہ بالا کو صفات ثمانیہ سے تعبیر فرماتے

Marfat.com

واقع ہیں۔ ان صفات سے بالاتر صفاتِ حقیقیہ کا مرتبہ ہے جن کی تجلیات سے روح کو شرف حاصل ہوتا ہے۔ قلب کا تعلق صفاتِ اضافیہ سے ہے اور انہی صفات کی تجلیات سے وہ مشرف ہوا کرتا ہے۔ باقی ماندہ جواہر علیائے ثلاثہ "سِرّ خفی اخفیٰ" کا مرتبہ صفاتِ حقیقیہ سے بھی بالاتر اور حضرت کبریائے ذات تعالیٰ و تقدس کے دائرہ میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے ان مراتب سہ گانہ کی تجلیات ذاتیہ کہتے ہیں جن کے متعلق لب کشائی کرنا خلاف مصلحت ہے ؎

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

قلم یہاں پہنچ کر ٹوٹ گیا :

(بقیہ صفحہ ۱۱۶ سے آگے) ہیں۔ چونکہ صفات انہی کی بحث نہایت دقیق اور خطرناک ہے اس لئے یہاں زیادہ تفصیل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ مرتبہ وجوب سے ذات و صفات الٰہی تعالیٰ و تقدس اور مرتبہ امکان سے دیگر مخلوقات مراد ہے ۔

Marfat.com

پندرہواں مکتوب (۳۵)

ملا حاجی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا

(محبت ذاتیہ کا بیان۔ محبتِ ذاتیہ میں انعام و ایلام برابر ہوتا ہے)

خداوند پاک جل و علا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہمیں کنز نظری اور کج فہمی سے محفوظ رکھے۔ سیر[۱] و سلوک طریقت کا مقصود یہ ہے کہ نفس امارہ کا تزکیہ[۲] و تطہیر ہو جائے۔ نفس کو آلہہ باطلہ کی پرستش اور گرفتاری سے مخلصی حاصل ہو جس کی بنا ہوائے نفسانی پر ہے۔ ایک ہی معبود حق تعالیٰ و تقدس قبلۂ توجہ رہ جائے اور کسی دینی یا دنیاوی مطلب کو کسی طرح اس پر ترجیح نہ دے۔ اگرچہ زمرۂ ابرار[۳] کے اعمال کے لحاظ سے مقاصد دینیہ حسنات کی فہرست میں داخل ہیں لیکن مقربین کے نزدیک یہ سیئات میں شمار ہوتے ہیں اور وہ ایک ہی ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کے سوا کسی اور مطلب کو اپنا قبلۂ توجہ یا مطمحِ نظر نہیں قرار دیتے۔ اس دولتِ عظمٰے سے بہرہ ور ہونا مقامِ فنا اور محبتِ ذاتیہ کے حصول پر موقوف ہے۔ سالک اس مقام پر پہنچ کر نعمت

---

[۱] کسی کامل مردِ راہ کے زیرِ تربیت تصوف و عرفان کے منازل و مقامات میں بتدریج ترقی کرنے کو مجازاً سیر و سلوک کہتے ہیں۔ اصلی معنے ان لفظوں کے راہ پر چلنا ہے۔ حقیقی اور مجازی معنوں میں وجہ مناسبت کی بالکل ظاہر ہے۔ [۲] نفس کو بری خصلتوں اور مذموم اوصاف سے پاک کرنے کا نام تزکیہ ہے [۳] آخرت میں نجات پانے والے گروہ کے دو بڑے بڑے فرقے ہیں (۱) ابرار (۲) مقربین عام نیکو کاروں کو ابرار اور درجات قرب پر فائز ہونے والے اصحاب کو مقربین کہتے ہیں۔ ان کا ذکر کسی گذشتہ مکتوب میں ہو چکا ہے۔ اسی طرح یہ بھی مفصل بیان کیا گیا ہے کہ ابرار کے حسنات مقربین کے نزدیک سیئات کا حکم رکھتے ہیں۔ اسی موقعہ پر ذیلی حاشیہ میں یہ توضیح کر دی گئی ہے کہ کس طرح ایک شخص کا حسنہ دوسرے کے حق میں سیئہ ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

اور عذاب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔ تعذیب سے اُسے وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو ایصالِ نعمت کی حالت میں متصور ہے۔ اس قسم کا عارف اگر بہشت کی تمنا کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ وہ رضائے الٰہی تعالیٰ وتقدس کا مظہر ہے اور اس کا طلب کرنا خداوندِ پاک جل وعلا کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ دوزخ سے بچنے کی بھی اس لئے خواہش کرتا ہے کہ مولائے پاک تبارک وتعالیٰ کے قہر و غضب کی جگہ ہے۔ دراصل نہ اس کو بہشت سے کچھ سروکار ہے اور نہ دوزخ سے، وہ بہشت کو اس لئے نہیں چاہتا کہ اس میں داخل ہوکر حظوظِ نفسانیہ سے متمتع ہو اور نہ دوزخ سے، اس بنا پر پرہیز کرتا ہے کہ وہاں جاکر رنج و عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ بھی محبوبِ حقیقی کی طرف سے پہنچے (نعمت ہو یا نقمت، رنج ہو یا راحت) وہی مرغوب اور عین مطلوب ہے۔ کل ما یفعل المحبوب محبوب۔ ہرچہ از دست نیکو است ۔۔۔۔ اخلاص کی حقیقت اسی مقام پر سالک کو میسر ہوتی اور اگر یا طلب سے اسی رتبے پر فائز ہوکر خلاصی نصیب ہوتی ہے۔ کلمہ توحید کا کہنا اسی حالت میں قال مطابق حال کے مصداق ہوتا ہے۔ اس کے بغیر گوہرِ مقصود کا ہاتھ آنا نہایت دشوار ہے جب تک محبت ذاتیہ حاصل نہ ہو جس میں اسماء و صفات کچھ بھی ملحوظ نہ ہوں اور محبوب کی تنعیم یا تعذیب پر مطلق التفات نہ کیا جائے بلکہ محبوب کے انعام و ایلام کو یکساں طور پر طیب خاطر سے قبول کرے اور خواہ وہ محبوب کسی اسم یا صفت میں جلوہ گر ہو اس کی محبت میں کچھ بھی فرق نہ آئے، تب تک معاملہ ناقص اور مغشوش رہتا ہے۔ اس شرکتِ سوزِ محبت کے بغیر فنائے مطلق کا حاصل ہونا محال ہے۔

Marfat.com

عشق[1] آں شعلہ است چوں برفروخت ۞ ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتلِ غیرِ حق براند ۞ درنگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ۞ شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

---

[1] عشق وہ شعلہ سوزندہ ہے کہ جب وہ بھڑک اٹھتا ہے تو سوائے محبوب کے سب اشیا کو بھسم کر ڈالتا ہے (عشقِ صادق، حرف نفی کی تلوار لے کر غیر اللہ تعالیٰ و تقدس کو عدم آباد پہنچا دیتا ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بعد اور کیا رہ گیا۔ بس ایک خدائے برحق جل وعلا تو باقی رہا (جس کا الا اللہ سے اثبات کیا جاتا ہے) دوسری تمام اشیا کالعدم ہو گئیں۔ شرکت کو جلا دینے والے مضبوط اور مستحکم عشق۔ تجھ پر آفرین ہو کہ تیری بدولت میں نے غیر اللہ کی گرفتاری سے خلاصی پائی)۔

Marfat.com

سولہواں مکتوب (۳۶)

(ملا حاجی محمد لاہوری کے نام لکھا گیا)

شریعت تمام دنیا اور آخرت کی سعادتوں کا سرچشمہ ہے طریقت اور حقیقت بھی شریعت کے خادم ہیں

خداوند پاک جل وعلا ہمیں شریعت مصطفویہ کی حقیقت سے بہرہ ور فرمائے علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔ خدائے پاک اس نیک دل ہمدرد بندے پر بھی رحم فرمائے جس نے ہمارا ساتھ دے کر اس دعا کی اجابت کے لئے آمین کہہ دیا۔ شریعت نبویہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ تین بڑے بڑے اجزا پر مشتمل ہے۔ علم۔ عمل۔ اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزا حاصل نہ ہوں شریعت کا کمال حاصل ہونا ناممکن ہے۔ شریعت کو انتہائے کمال تک پہنچانے سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے جو تمام دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے اعلیٰ وافضل اور بالاتر وبرتر واقع ہوئی ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (خدائے پاک کی خوشنودی حاصل ہونا سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے) اس تقریر سے آپ کو صاف ثابت ہوگیا کہ دنیا اور آخرت کی کوئی سعادت نہیں جس کے حصول کے لئے شریعت مقدسہ کفیل نہ ہو اور کوئی ایسا مطلب ومقصود نہیں جو شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے ذریعے سے حاصل ہو۔ طریقت اور حقیقت جو صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم کا ممتاز اصول ہے دونوں شریعت ہی کے خادم اور اس کے جزو ثالث (اخلاص) کی تکمیل کے وسائل ہیں۔ ان دونوں میں مشغول ہونے کا مدعا صرف

Marfat.com

اسی قدر ہے کہ شریعت کی تکمیل ہو۔ شریعت کے علاوہ کوئی مقصود مدّ نظر نہیں
احوال و مواجید اور علوم و معارف جو سالکانِ تصوف کو اثنائے راہِ سلوک میں
حاصل ہوتے ہیں ان کا حاصل ہونا مقصود اصلی نہیں - بل اوہامٌ و خیالاتٌ
متوّجی بھا اطفال الطریقۃ (بلکہ یہ باتیں تو وہم و خیال سے بڑھ کر کچھ بھی
وقعت نہیں رکھتیں - یہ تو اطفال طریقت کی تربیت اور دل بہلانے کے سامان
ہیں) ان تمام امورِ غیر مقصودہ سے گزر کر مقام رضا تک جو اصل مقصود ہے
اور سلوک وجذبہ کے مقامات کا منتہٰے واقع ہوا ہے پہنچ جانا چاہیئے۔ تمام
منازل و مراحلِ طریقت اور حقیقت کو طے کرنے سے یہی مطلوب ہے کہ مقام
اخلاص حاصل ہو جس کے ساتھ مقام رضا کا حاصل ہونا لازم ہے۔ ہزاروں
سالکانِ طریقت میں کوئی ایک آدھ ایسا خوش نصیب ہوتا ہے کہ ہر سہ تجلیات
(تجلی افعال، تجلی صفات، تجلی ذات) اور عارفانہ مشاہدات سے اس کو آگے بڑھا
کر مقام اخلاص اور رضا تک پہنچا دیا جائے۔ کوتہ خیال متصوفین احوال و مواجید
کو مقصود بالذات خیال کئے ہوئے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب اصلیہ
سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے اوہام و خیالات کے زندان میں محبوس
رہ کر کمالاتِ شریعت سے در حقیقت مطالب اصلیہ ہیں محروم رہ جاتے
ہیں۔ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ
یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ؕ (جس بات کی طرف تو بلاتا ہے وہ مشرکوں
پر نہایت شاق گزرتی ہے۔ خداوند پاک جل و علٰے جس کو چاہتا ہے اپنے ہاں
برگزیدہ بنا لیتا ہے اور جو کوئی اس کی طرف رجوع کرے خداوند پاک جل و علا

Marfat.com

اس کو ہدایت بخشتا ہے، ہاں یہ مُسلّم ہے کہ مقامِ اخلاص کا حاصل ہونا اور رضا کے جلیل القدر مرتبے تک واصل ہونا انہی احوال و مواجید اور علوم و مُعارف کے حصول پر منحصر ہے۔ لہٰذا یہ سچ ہے کہ وہ مطلوبِ اصلی کے ذرائع اور وسائل ہیں لیکن خود مقصود بالذات نہیں۔ یہ حقیقت پورے دس سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل سے مجھ ناکارہ پر منکشف ہوئی اور شریعت کے اصلی حسن و جمال نے اپنا جلوہ دکھایا گو مجھے پہلے ہی احوال و مواجید سے چنداں دلبستگی نہیں تھی اور ہمیشہ یہی مطلب میرے پیشِ نظر رہتا تھا کہ حقیقتِ شریعت تک رسائی ہو لیکن اصلی حقیقتِ شریعت تک رسائی ہو۔ لیکن اصلی حقیقت کا انکشاف پورے دس سال کے بعد ظہور میں آیا۔ الحمد للہ تعالٰی حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔ میاں شیخ جمال کا رہگرائے عالمِ بقا ہونا تمام اہلِ اسلام کے لئے موجبِ اندوہ و ملال ہے اُن کے صاحب زادوں کو میری جانب سے تعزیت اور فاتحہ خوانی کر دیجئے۔ (والسلام) ٭

Marfat.com

ستر ہواں مکتوب ۳۷
شیخ چیتری کے نام لکھا گیا

(اتباع سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب طریقہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی کوشش)

آپ کا گرامی نامہ جو آپ کی عنایت کا ثبوت تھا موصول ہو کر کمال مسرت وابتہاج کا باعث ہوا۔ آپ نے طریقہ علیہ نقشبندیہ پر ثابت قدم اور مستقیم رہنے کے متعلق لکھا تھا۔ الحمد للہ سبحانہ وتعالیٰ علےٰ ذٰلک۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اسی طریقہ علیہ کے بزرگوارں کی برکت سے آپ کو بے انتہا ترقیات عنایت فرمائے۔ ان بزرگواروں کا طریقہ اکسیر اعظم ہے جس کی بنا سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر رکھی گئی ہے۔ میری اپنی یہ حالت ہے کہ مدتہائے دراز تک علوم ومعارف اور احوال ومواجید مجھ پر موسلا دھار بارش کی طرح برستے رہے اور جو کچھ بھی راہِ سلوک وتصوف میں میسر ہوتا ہے۔ خداوند پاک جل وعلا کے فضل وکرم سے حاصل ہوا لیکن موجودہ حالت میں بجز اس کے اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی مردہ سنت کو زندہ کروں اور احوال ومواجید سے ارباب ذوق ہی کو متمتع ہونے دوں۔ آپ کو چاہیئے کہ اپنے باطن کو تو نسبت خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم سے معمور رکھیں اور ظاہر کو ہر ایک طرح سے سنتِ نبویہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کامل اتباع سے آراستہ کریں ع

Marfat.com

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

پانچوں نمازوں کو وقت کے پہلے حصّے میں ادا کیا کریں۔ لیکن سردیوں میں عشا کی نماز کو تہائی رات کے گزرنے تک موخر کرنا افضل اور مستحب ہے، میں اس بارے میں مجبور ہوں۔ یہ نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں ذرہ بھر بھی تاخیر واقع ہو۔ ہاں عوارضِ بشریہ اور انسانی کمزوریاں ہر حالت میں قابلِ استثنار ہیں۔ فقط

Marfat.com

سن اشاعت دسمبر ۱۹۶۷ء

مطبع :- خورشید عالم پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت :- مجلد ساڑھے تین روپیے

محمد نصیر ہمایوں نے مولوی محمد اسحاق و ڈاکٹر محمد اسماعیل پسران مولانا عبدالرحیم
کی اجازت سے بیگم ہمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کے لئے ۶۵ ریلوے روڈ لاہور
(سے شائع کیا)

Marfat.com

خطبہ حجۃ الوداع

آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع پر جبل عرفات میں، جہاں وہ لوگ کثرت سے جمع تھے جو چند ماہ یا چند سال قبل ایسی بت پرستی میں مبتلا تھے جس نے ان کے ضمیروں کو مردہ کر دیا تھا ۔ فرمایا:

اے لوگو! میری بات سن لو اور سمجھ لو! کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد پھر بھی کبھی اس موقع اور اس مقام پر میں تمہارے درمیان موجود ہونگا ۔ آپس میں ایک دوسرے کے لئے تمہاری جان تمہارا مال اور تمہاری آبرو اسی طرح لائق احترام ہے جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہے ۔ یاد رکھو! تمہیں خداوند تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی

خدا نے ہر حق دار کو وراثت کی رو سے اس کا حق دیدیا، اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ۔ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زنا کار کے لئے پتھر ہے ۔ اور ان کا حساب خدا کے ذمے ہے ۔

جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے، وہ غلام جو اپنے مولیٰ کے سوا کسی دوسری طرف اپنی نسبت کرے، اس پر خدا اور اس کے فرشتوں اور تمام بنی نوعِ انسان کی لعنت ہوگی ۔

اے لوگو! تمہاری بیویوں پر تمہارے اور بیویوں کے تم پر حقوق ہیں ۔ اپنی حیثیت کے مطابق انہیں اچھا کھلاؤ، پہناؤ اور ان سے لطف و مروت اور حسنِ سلوک سے پیش آؤ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس امانت ہیں اور اس کے حکم سے تم پر حلال کی گئی ہیں، خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کا احترام کرو ان سے تجاوز مت کرو!

سود باطل قرار دیا جاتا ہے ۔ مقروض صرف اصل زر ہی واپس کرے گا ۔ اور میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں ۔ تمہارے غلام! ان کو

Marfat.com

وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ اور وہی پہناؤ جو خود پہنو۔ اگر ان سے ایسا قصور سرزد ہو جو تم معاف نہیں کر سکتے تو ان کو علیحدہ کر دو، کیونکہ وہ بھی تمہارے ہی خدا کے بندے ہیں، ان سے بدسلوکی ہرگز مت کرو۔ جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کی طرف ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔

اے لوگو! خوب سن لو اور سمجھ لو کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ تم سب ایک آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنایا گیا۔ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں کسی شخص کو دوسرے کا حق غصب نہ کرنا چاہیئے ـــ اپنے آپ کو ناانصافی میں مبتلا ہونے سے بچائے رکھو!

جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ یہ پیغام ان تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں۔"

اس خطبے کے اختتام پر حضور سرورِ کائناتؐ نے ان کثیر التعداد اشخاص کے جوشِ عقیدت سے مسرور ہوتے ہوئے جو چند سال یا چند ماہ پہلے دشمنانِ اسلام تھے۔ بآوازِ بلند فرمایا:

"اے خدا! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور اپنی امانت ادا کر دی" اس ارشاد کے جواب میں ہزارہا صدائیں بلند ہوئیں:

"ہاں آپؐ نے پیغام پہنچا دیا"

حضورؐ نے فرمایا۔ "اے خدا گواہ رہیو!"

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ

ـــــ تمت ـــــ

Marfat.com

Marfat.com

ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات

1 - جامع الاداب	-/4	روپے
2 - جواھر العلوم	6/50	روپے
3 - فضائل صحابہ و اھل بیتؓ	7/50	روپے
4 - حجة اللہ البالغہ (دو جلدوں میں)	-/40	روپے
5 - بچوں کے لئے حدیث	-/5	روپے
6 - درس قرآن (سات جلدوں میں مکمل)	61/50	روپے
7 - Integration of Islam with Science	2/75	روپے

☆

بیگم ھمایوں ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

65 - ریلوے روڈ ، لاھور

Marfat.com

سلسلۂ سیرت و کردار کی دوسری قابل قدر کتاب

جواھرالعلوم

تصنیف : علامہ طنطاوی ، جوھری ، مصری

ترجمہ : مولوی عبدالرحیم مرحوم

جواھرالعلوم ، عربی زبان کی ایک مایۂ ناز تصنیف کا اردو ترجمہ ھے جو اسی نام سے مصر سے شائع ھوئی تھی -

علامہ طنطاوی نے ایک بالغ نظر فلسفی اور دردمند مسلمان کی حیثیت سے زندگی کے تقریباً تمام اھم مسائل پر نتیجہ خیز بحث کی ھے اور قاری کو ایسے مفید نتائج تک پہنچنے میں مدد دی ھے جو کامیاب زندگی گزارنے کی ضمانت ھو سکتے ھیں -

جواھرالعلوم

کی ایک اور بہت بڑی خوبی اس کا قیمتی ذخیرۂ معلومات ھے - نباتات ، جمادات ، حیوانات ، فلکیات اور دیگر اھم علوم کی سیر حاصل بحثیں شامل ھیں -

ان خوبیوں نے اسے واقعی ایک لاجواب کتاب بنا دیا ھے -

قیمت : ۶/۵۰

قومی کتب خانہ ، ریلوے روڈ ، لاھور

سے طلب فرمائیے

سرورق رپن پریس لمیٹڈ ، لاھور میں چھپا

Marfat.com

سلسلۂ سیرت و کردار کی دوسری قابل قدر کتاب

جواھرالعلوم

تصنیف: علامہ طنطاوی، جوھری، مصری

ترجمہ: مولوی عبدالرحیم مرحوم

جواھرالعلوم، عربی زبان کی ایک مایۂ ناز تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جو اسی نام سے مصر سے شائع ہوئی تھی۔

علامہ طنطاوی نے ایک بالغ نظر فلسفی اور دردمند مسلمان کی حیثیت سے زندگی کے تقریباً تمام اھم مسائل پر نتیجہ خیز بحث کی ہے اور قاری کو ایسے مفید نتائج تک پہنچنے میں مدد دی ہے جو کامیاب زندگی گزارنے کی ضمانت ھو سکتے ھیں۔

جواھرالعلوم

کی ایک اور بہت بڑی خوبی اس کا قیمتی ذخیرۂ معلومات ہے۔ نباتات، جمادات، حیوانات، فلکیات اور دیگر اھم علوم کی سیر حاصل بحثیں شامل ھیں۔

ان خوبیوں نے اسے واقعی ایک لاجواب کتاب بنا دیا ہے۔

قیمت: ٦/٥٠

قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ، لاھور

سے طلب فرمائیے

سرورق رہبر پریس لمیٹڈ، لاھور میں چھپا

Marfat.com